کیا ہم زندہ ہیں؟

801-900

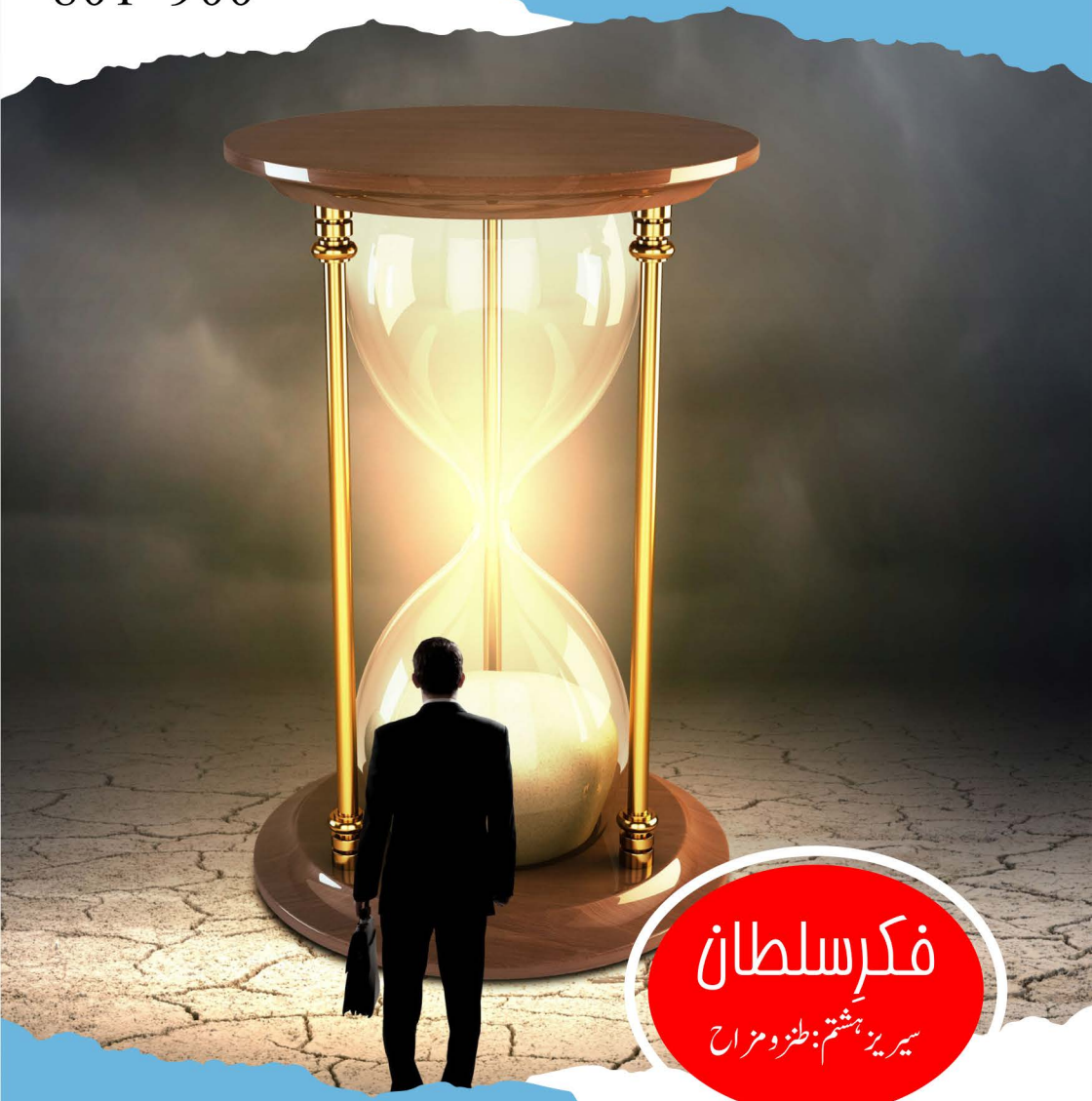

فکرِ سلطان

سیریز ہشتم: طنز و مزاح

ڈاکٹر سلطان محمود

کتاب کا سٹیٹس

نمبر شمار	عنوان	کمنٹس
1	کور پیجیز	شامل ہے
2	فہرست مضامین	شامل ہے
3	مضامین کی درجہ بندی	ابھی کرنی ہے
4	مواد کی درستگی	فائنل ریویو باقی ہے
5	گرامر اور زبان	غلطیاں ہائی لائٹ کی گئی ہیں
6	گمشدہ مواد	05 فی صد تک مضامین گمشدہ ہیں
7	غلطیوں کی اصلاح	فائنل ریویو باقی ہے
8	سرخیاں (مستقل سطح اور ترتیب)	بہتر کی جا سکتی ہیں
9	خطوط (فونٹس۔ مستقل مزاجی اور درست استعمال)	تقریباً ٹھیک ہیں
10	حروف کا سائز (عنوانات، سرخیاں، متن)	بہتر کی جا سکتی ہیں
15	رنگ (متن اور ڈیزائن عناصر)	ضرورت نہیں
16	صفحہ نمبر نگ	شامل ہے
17	حاشیے (مستقل اور ترتیب کے مطابق)	ضرورت نہیں
18	سرخی اور پانوشت (ہیڈر اور فوٹر)	شامل ہیں
19	ساخت اور ترتیب	تقریباً ٹھیک ہے
20	حوالہ جات	فائنل ریویو کی ضرورت ہے

سیریز ہشتم: طنز و مزاح

کالمز 801 تا 900

(مصنف: ڈاکٹر سلطان محمود)

COLUMNS 801-900

BY: DR. SULTAN MAHMOOD

ڈاکٹر سلطان محمود، مینیجنگ ڈائریکٹر
ایکوکیئر کنسلٹنسی سروسز (ای سی سی ایس) پرائیویٹ لمیٹیڈ

Managing Director
ECOCARE CONSULTANCY SERVICES (ECCS) PVT. LTD.
www.ecocare.pk

فکرِ سلطان

(مصنف: ڈاکٹر سلطان محمود)

FIKAR-E-SULTAN

BY: DR. SULTAN MAHMOOD

ڈاکٹر سلطان محمود، مینیجنگ ڈائریکٹر
ایکوکیئر کنسلٹنسی سروسز (ای سی سی ایس) پرائیویٹ لمیٹیڈ

Managing Director
ECOCARE CONSULTANCY SERVICES (ECCS) PVT. LTD.
www.ecocare.pk

سیریز ہشتم: طنز و مزاح

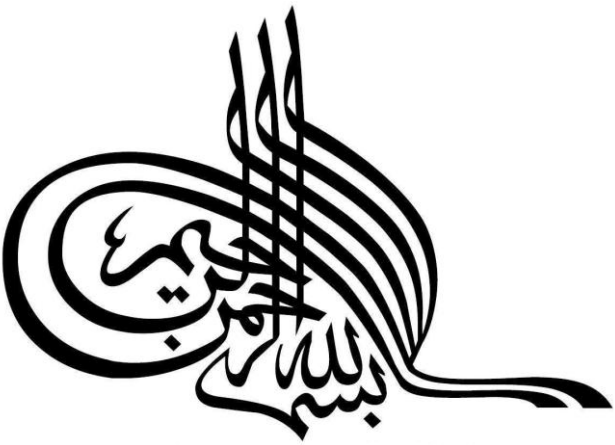

In the name of Allah,
the Most Beneficent,
the Most Merciful

انتساب

Dedicated to the one I love in the Quest of truth.

میری فکر اس کے نام جس سے میں سچ کی تلاش میں آج بھی پیار کرتا ہوں۔

فکرِ سلطان: جملہ حقوق

جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ ہیں

سیریز	فکرِ سلطان (10 سیریز)
مصنف	ڈاکٹر سلطان محمود
ناشر	ایکوکیئر کنسلٹنسی سروسز (ای سی سی ایس) پرائیویٹ لمیٹیڈ
پبلیشر	ماروِل سسٹم
نظرِ ثانی	انعم عروج
اشاعت	2024

فکرِ سلطان : فہرست سیریز

نمبر شمار	عنوان	کل کُتب
1	سیریز اول: ہڈ بیتی	12
2	سیریز دوم: غذا اور صحت	30
3	سیریز سوم: حیوانات برائے انسانی غذا	13
4	سیریز چہارم: ماحول و موسمی تبدیلی	31
5	سیریز پنجم: غذائی تحفظ	06
6	سیریز ششم: دیہی ترقی	01
7	سیریز ہفتم: سماجی رویئے	04
8	سیریز ہشتم: طنز و مزاح	10
9	سیریز نہم: شعر و شاعری	02
10	سیریز دہم: تصویری مسافت	01
--	کل کُتب	110

تعارف: فکرِ سلطان سیریز

ڈاکٹر سلطان محمود نے اپنی نصف صدی کی کاوش کو سائنسی انداز میں تحریکی کارکن بن کر چلایا نیز غذائی تحفظ ایک کی عالمی خود مختار تحریک کو مقامی رہنما کے طور پر پاکستان میں ایک غیر معمولی موڑ دیا ہے جس کے نتیجے میں ان کے افکار اور عملی جدوجہد نے 'فکر سلطان' جیسی ایک طاقتور دستاویزی سیریز جنم دی ہے۔ اس میں وہ اپنی آدھی صدی کی شبانہ روز کی ہمہ جہت کوشش کو شاندار کہانی کے طور پر بیان کرتے ہوئے اہم معلومات سے بھری وہ تاریخ بھی بیان کر رہے ہیں جو ملک عزیز کے غیر مستحکم حالات کے باوجود مقامی اور نچلی سطح کے مسائل کو قومی اور عالمی سطح پر کچھ اس انداز سے اٹھالے جاتے ہیں کہ جہاں وہ حیاتیاتی تنوع یا بائیوڈائیورسٹی کی ہئیت تبدیل کئے بغیر کارپوریٹ تسلط کے ساتھ جنگ کرتے نظر آتے ہیں۔ یہاں یہ بھی واضح ہو جاتا ہے کہ ڈویلپمنٹ مافیا کے خلاف کس طرح نچلی سطح کی لڑائی کو اٹھا کر قومی اور عالمی سطح پر لے جایا جاتا ہے۔ ان کی یہ سوچ بھی قابل داد ہے کہ دنیا بھر میں مقامی سطح کی کمیونٹی ہمیشہ مقدس اور خود مختار ہونی چاہئے تا کہ وہ اپنے علم اور حقوق کو حاصل کر کے مستقبل کی دنیا کی حقیقی کہانی کا نقشہ ترتیب دے سکے۔ ڈاکٹر صاحب کا یہ سفر مندرجہ ذیل دس سیریز پر مشتمل ہے۔

سیریز اول: ہڈ بیتی

ایک شاندار اور سمجھدار دماغ، شفاف کردار، شاعرانہ روح اور نچلی سطح کی تنظیموں میں مہارت حاصل کرنے کی صلاحیت رکھنے والے ڈاکٹر سلطان محمود نے ملکی ترقی کے مسائل اور تحریکوں کے سب سے زیادہ موثر اور محبوب لیڈروں کے جھرمٹ میں اپنا مقام حاصل کیا ہے۔ ان کو ملے غیر معمولی قدرتی تحائف میں ایشیا، یورپ، امریکہ، تین براعظموں کی سات جامعات سے حاصل شدہ اعلیٰ ترین تعلیم و تربیت کی بنیاد پر انسان کی غذائی ضروریات اور قدرتی ماحول کے درمیان گہرے تعلق کا ادراک ہے۔ غذائے انسانی میں استعمال ہونے مویشیوں، ماحولیات اور انسانی صحت کے بارے میں وہ آزادانہ گہری تفہیم بھی شامل ہے جو ملکی رویوں کی زبوں حالی کے باعث ہمیشہ زوال پذیر رہی ہے۔ وہ جانتا ہے کہ مطلق العنان سیاسی اور پدرسری نظام سے کس طرح کی حکمت سے جنگ لڑ کر جیتی جاتی ہے اور کیسے انسانیت اور تخلیق دونوں کو یکجا کیا جا سکتا ہے۔ نیز اپنے مخصوص مقاصد کے حصول کے لیے ایک عام سے متوسط گھرانے سے اُٹھ کر 17 سے زائید ممالک میں اپنی صلاحیتوں کا کیسے لوہا منوایا۔ یہ قاری کو ان کی زندگی کے سفر کو پڑھ کر ہی اندازہ ہو گا کہ محدود مالی وسائل سے کوئی بھی لمحہ فروغ گذاشت نہ کرتے ہوئے کیسے، "تبدیلی کا ڈھانچہ بنایا جا سکتا ہے"۔

سیریز دوم: غذا اور صحت

غذائی علاج جیسی اپنی پچھلی مشہور کتابوں کی طرح، مصنف ماحولیاتی حکمت، پر جوش سرگرمی اور بے عیب پیشہ ورانہ سوچ کے ساتھ پھر سے چمک رہا ہے۔ اس سیریز میں مصنف کی نگارشات اس بات کا ثبوت دیتے دکھائی دیتی ہیں جو انسانی خوراک و غذا پر موسمیاتی تبدیلی کے برے اثرات کو کم کرنے کے لیے مقامی اور بین الاقوامی کارپوریٹ سطح کی کوششوں کے لیے کیے جانے ضروری ہیں۔ یہ اس بات کا بھی ثبوت ہے کہ مصنف نے کس طرح حیاتیاتی تنوع کے تحفظ اور کسان برادریوں کے حقوق کے لیے اپنی کوششوں کو حوصلے کے ساتھ جاری رکھا۔ مصنف نے 1997 میں غذا و صحت کے میدان میں چھلانگ لگائی اور پھر اسے اس وقت تک اوڑھنا بچھونا بنائے رکھا جب تک کہ ورلڈ بنک کے راشد القیوم مرحوم کے مشورے کے پیش نظر ڈاکٹریٹ کے بارہ برس بعد پنجاب یونیورسٹی سے ماحولیات کی ڈگری نہیں لے لی۔ اور پھر انسانی غذا کی پیداوار پر ماحول کے اثرات کا تفصیل سے جائزہ لینا نہیں شروع کر دیا۔

سیریز سوم: حیوانات برائے انسانی غذا

غذائی تحفظ کی تخفیفی سائنس تقاضہ کرتی ہے کہ پیچیدہ سائنسی و معاشی معاملات کو ان کی سادہ ترین اشکال میں ڈھال کر انسانی مسائل کو آسان تر بنایا جاسکے۔ تخفیفی سائنس کے تنقیدی اظہاریے جیسا شدید پس منظر رکھنے والا ڈاکٹر سلطان محمود نچلی سطح کی متعدد انجمنوں اور تحریکوں کا ایک سنسنی خیز

موجد، شریک موجد اور کٹڑ حمایتی بھی رہا ہے۔ نیز افزائشِ حیوانات، جنگلات، پانی اور کسان تنظیموں کے تحفظ کی ان تمام ضروری تحریکوں کا روحِ رواں بھی ہے جو زندہ زرعی معاشرے کا تانا بانا ہیں۔ اور یقین رکھتا ہے کہ اس تانے بانے سے انسانی دنیا کا اہم ترین مسئلہ یعنی بھوک سے نجات والا کپڑا بنا جا سکتا ہے۔ اس مقصد کو حصول میں اس کی جس مضمون نے سب سے زیادہ رہنمائی کی وہ ان کے گریجوایشن کے مضامین تھے۔ جنہوں نے انسانی غذا میں شامل چالیس فی صد جزو جو حیوانات سے حاصل ہوتا ہے، اس کا ادراک گہرا کیا۔ گوشت، دودھ اور انڈے کی پیداوار اور پھر متناسب پیداوار انسان کو بھوک کے المیے سے دوچار نہیں ہونے دیتی۔

سیریز چہارم: ماحول و موسمی تبدیلی

ڈاکٹر سلطان محمود کی زندگی کی کہانی ماحولیات، سماجی سیٹ اپ اور گورننگ سنٹی کو بچانے کی جدوجہد کی وہ زندہ مثال ہے جس میں نصابی اور زمینی حقائق دونوں کام آئے۔ وہ اپنے سیارے کے ماحولیاتی نظام کے کام اور ضرر رساں کارٹیل اور اس کے حامیوں کے تباہ کن اثرات کو گہرائی سے سمجھتا ہے۔ اس کتاب کو پڑھنا ان گہرے مسائل کے اسباب کے بارے میں قاری کے ذہن کو کھولے گا جس میں چند لوگ اپنے برے اعمال کی وجہ سے اکثریت کو دھکیل رہے ہیں نیز اس کے مطالعے سے قاری کو حکومت کے طاقتور تکبر سے نکل کر کسان کی طرف پلٹنے کی امید اور حوصلہ ملے گا۔ یہ خوبصورتی سے لکھی گئی یادداشت ایک زبردست داستان ہے جو زمین، زندگی اور ہمارے قیمتی سیارے کی سالمیت کی خواہش رکھنے والے ہر فرد کو پتا ہونی چاہیے۔ مغربی کارپوریٹ سیکٹر کے ESG کی جانب کاروباری جھکاؤ سے مصنف نے جو کچھ امریکہ، یورپ اور خلیجی ممالک سے سمجھا، وہ

اس نے اپنے ایکو کیئر بزنس اور سوشل میڈیا آگاہی والے گروپس اور چینل کے ذریعے آنے والی نسل کو پوری طرح سے آگاہ کر دیا ہے۔ اس سیریز کا 30 کُتب کی شکل میں مخطوطہ بڑی تفصیل سے واضع کرتا ہے کہ جونہی ملک کو کارپوریٹ کلچر کے ذریعے ترقی کی جانب غیر متوازن انداز میں دھکیلا جاتا ہے تو وہ کس طرح ہمارے مجموعی سماجی ڈھانچے کو متاثر کرتا ہے۔ اس سے ملک میں ایک غیر متوازن ماحولیات اور سماجی جنگ چھڑ جاتی ہے۔ جو بالآخر وسائل کی نامنصفانہ تقسیم پر منتج ہوتی ہے۔ ڈاکٹر صاحب نے اپنے تئیں تمام ماحولیاتی پراجیکٹس میں قابل کاشت زمین، انسانی روزگار اور گرم ہوتے ہوئے کرہءزمین کے باعث گلیشیر پگھل کر طوفانی انداز اختیار کرنے جیسے مضامین کو کافی گہرائی سے دیکھا ہے۔ نیز اس سیکٹر میں پورا جذب ہونے کے لیے اپنی سرکاری نوکری سے قبل از وقت ریٹائرمنٹ لے کر نیسپاک جیسی قومی و عالمی ایجنسیوں کے ماحولیاتی پروگرام کا جارحانہ حصہ بن کر انسانی غذا کی تخفیفی سائنس سے بھرپور کام لیا ہے اور چار سو سے زائید ماحولیات پراجیکٹس کو کامیابی سے ہمکنار کر کے ملک کے عوام اور حکومت کے کام کو نہائیت آسان بنا دیا ہے۔

سیریز پنجم: غذائی تحفظ

ڈاکٹر سلطان محمود کی ذاتی کاوشوں کا سارا نچوڑ صرف "غذائی تحفظ" کے ارد گرد ہی گھومتا ہے۔ جسے اصولی طور پر اولین سیریز میں جگہ ملنی چاہیے تھی، لیکن تخفیفی سائنس کا خوگر ہونے کے باعث انہوں نے مناسب جانا کہ پہلے ان اوامر کا ذکر کیا جائے جو غذائی تحفظ یا عدم تحفظ کا باعث بنتے ہیں۔ تبھی انہیں نے اپنے فکری سفر کا آغاز اپنے پسندیدہ مضمون (سیریز دوم غذا و صحت) سے شروع کرنا

مناسب جانا اور انسانی صحت پر غذا کی ضروریات اور اثرات کا شروع میں جائزہ پیش کر دیا۔ یعنی باالفاظ دیگر اپنی فکر کی بنیاد انسانی جِبلّت بھوک پر رکھی۔ پھر مناسب انسانی صحت بر قرار رکھنے کے لیے مناسب غذا کی پیداوار، سپلائی چین، قوتِ خرید اور جسمانی ضروریات پر رکھی۔ دھیرے دھیرے اس تخیل کو راسخ کر لینے کے بعد وہ اپنے بنیادی مضمون یعنی ان حیوانات کی جانب پلٹے جو انسانی خوراک میں دودھ، گوشت اور انڈے کی شکل میں روزانہ کی ضرورت کا چالیس فی صد پر مشتمل ہے۔ اس منطقی تعلق سے ان کی فکری گہرائی کا اندازہ لگانا چنداں مشکل نہیں کہ اگر بہترین اور مناسب ماحولیاتی انتظامات کر کے پانی کے ذرائع پر بحث مکمل کر لی جائے تو یہ غذائی تحفظ کی ایک ایسی گارنٹی ہے جو افزائشِ حیوانات کے ذریعے انسانی صحت کی ضامن ہے۔ یہاں یہ بھی واضع ہو جاتا ہے کہ شدید سیلاب ہر سال جو حیوانات کی تباہی لاتے ہیں ان پر موثر قابو پا کر انسان کم سے کم چالیس فی صد غذائی ضروریات کو تو یقینی بنایا جا سکتا ہے۔ ان کی یہ منطقی سوچ یورپ اور امریکن جامعات کی فلاحی سائنسیز پر کام کر کے پیدا ہوئی۔ گو کہ ڈاکٹر سلطان محمود کے تیکنیکی کام میں سب سے کم کتب اسی غذائی تحفظ سیریز کا حصہ بنیں لیکن حقیقت بھی یہی ہے کہ عظیم تحقیقات اور کاوشوں کا خلاصہ ہمیشہ مختصر ہوتا ہے۔

سیریز ششم: دیہی ترقی

ویسے تو حیوانات کی افزائش ایک دیہی موضوع ہے جہاں ہمارا 70 فی صد کسان اپنا خون جلا کر صبح شام انسانی غذائیں پیدا کرتا ہے۔ لیکن ہمارے ہاں کے غیر متوازن دیہی ترقی کے میدان کی بجائے ہمیشہ شہری ترقی و سہولیات کو اولیت حاصل رہتی ہے۔ جس نے ایک جانب اگر غذائی عدم تحفظ کا

خطرہ مول لے لیا ہے تو دوسری جانب شہر کی طرف نقل مقانی کی عفریت کو بھی جنم دیا ہے۔ ایسے غیر دانشمندانہ حکومتی اقدامات کا نتیجہ ایک ایسی بے ہنگم معاشرتی زندگی کی شکل میں رونما ہوا ہے کہ جس میں حکومت گاؤں چھوڑ کر شہر میں بسنے والوں کے مسائل کو شہری ترقی کی ناکامی کی شکل میں سہہ رہی ہے اور نہ وہ ان کو خدا ہی مل پا رہا ہے اور نہ وصالِ صنم ہو رہا ہے۔ دنیا کے ترقی یافتہ ممالک کو تو خیر چھوڑیں اگر کل کے غریب چین اور بھارت ہی کی مثال لے لیں تو ان کے ہاں غذائی تحفظ شہر و دیہاتی زندگی میں توازن لانے سے ممکن ہوا ہے۔ اور محض بیس برس میں ان دو ممالک کے دو ارب لوگ دن میں ایک کھانے سے دو کھانوں کے قابل ہو گئے ہیں۔ ان دونوں ممالک نے اپنے آبی ذخائر پر ہزاروں ڈیم بنا دیئے ہیں جن سے وہ نہ صرف غذائی تحفظ یقنی بنا رہے ہیں بلکہ اپنی توانائی کی ضروریات بھی پوری کر رہے ہیں۔ حالانکہ عالمی موسمی تبدیلیاں ان پر بھی ویسے ہی اثر انداز ہو رہی ہیں جیسے باقی کرہء ارض پر رونما ہوتی ہیں۔

سیریز ہفتم: سماجی رویئے

ڈاکٹر سلطان محمود اپنے عالمی ایکسپوژر کے باعث خلیجی ممالک میں رواج پا جانے والے حالیہ شعبہ جات میں ماحولیات سے متصلہ کارپوریٹ سیکٹر کی نئی جہت ای ایس جی سے کافی متاثر ہوئے لہذا انہوں نے ملک عزیز کی اس شعبہ میں لاعلمی کو نشانہ بنانے کا فیصلہ کرتے ہوئے اپنی کل نگارشات میں سے سوشل اور گورننس کے شعبہ جات کو ماحولیات کی کتب کے علاوہ خود مختار کتابی درجہ دے دیا اور اس کے لئے انہوں نے سیاست، مذہب، تعلیم، آبادی، تکنیکی تربیت، شہری و دیہی ترقی وغیرہ جیسے اہم موضوعات پر جو کچھ تجربات حاصل کئے تھے اسے اکٹھا کر کے اس سیریز کا حصہ بنا

دیا ہے۔ سابقہ اعتبار سے وہ اپنی نگارشات کو حاصل مطالعہ بھی کہتے ہیں، اس مطالعے کا حاصل جو انہوں نے مغرب سے حاصل کیا اور سنجیدہ عملی و علمی سفر کو اپنے وطن میں بھی لاگو کر سکتے ہیں۔ گو کہ وہ اس بات پر بھی یقین رکھتے ہیں کہ "کامن سینس" اتنی بھی کامن نہیں ہوتی "لیکن امیدؔ واثق رکھنے ہیں کہ جونہی عوام خصوصاً کسان میں تعلمی کمی دور ہو گی، سماج میں لازمی بہتری آئے گی۔

سیریز ہشتم: طنز و مزاح

اس جہت پر ڈاکٹر صاحب ایک اتھارٹی ہیں اور خود اپنے اوپر تنقید کرتے ہوئے ایک جگہ لکھتے ہیں کہ میں نے اگر طنز و مزاح کے گڑھ لائلپور یا فیصل آباد میں چوتھائی صدی نہ گزاری ہوتی تو میرے اندر کا اصلاحی جذبہ طنز اور شگفتگی کی شکل میں باہر نہ آتا۔ اس لحاظ سے دیکھیں تو اس سیریز میں نہ صرف سب سے زیادہ کتب ہیں جو ایک منفرد انداز میں مقامی و عالمی سیاست، مذاہب، نیز دیگر سماجی موضوعات پر طنزیہ و فکاہیہ انداز میں تخلیق شدہ تاریخ کا شاندار اور متاثر کن عالمی منظر نامہ پیش کرتی ہیں جسے ڈاکٹر صاحب نے اپنی طنزیہ و فکاہیہ ندرت اظہار کے باعث اسے میٹھا سچ سیریز کا نام دے دیا ہے۔ اس سے بھی بڑھ کر یہ بھی ثابت ہو جاتا ہے کہ مصنف مقامی طور پر قلیل مدتی طاقتوں کی سماجی خرابیوں کے ساتھ ساتھ عالمی سیاست کی خود غرضی کا بھی سامنا کرنے کا حوصلہ رکھتا ہے۔ یہ سیریز ایک شان اور روشنی کے ساتھ بیشمار سیاسی، سماجی اور منطقی حل بھی فکاہیہ انداز ہی میں پیش کرتی ہے۔ مصنف نے ملک کے نمایاں مزاح نگار کرنل محمد خان اور ظفر اقبال کی طرز سے متاثر ہو کر مزاح لکھنے کا آغاز گو کہ کالج لائف سے شروع کر دیا تھا مگر اس انداز کو مہمیز تب ملی

جب وہ نیویارک میں ممتاز صحافی محسن ظہیر کی ادارت میں شائع ہونے والے ہفت روزہ "صدائے پاکستان" سے بحیثیت سب ایڈیٹر منسلک ہوئے۔ نیز انہوں نے لاہور کے چند اخبارات میں اپنے فکاہیہ کالم میٹھا سچ کے نام سے ہی لکھنے شروع کر دیے۔ بقول ڈاکٹر صاحب جگت بازی اور فکاہیہ اندازِ بیان میراثی کو حکومت سے جدا کرتا ہے۔ اور طنزیہ ادب کو سنجیدہ کرتا ہے۔

سیریز نہم: شعر و شاعری

ڈاکٹر سلطان محمود کا بچپن ہی سے شاعرانہ مزاج ہے جسے اظہار کا موقعہ کالج لائف میں کسی ناکام محبت کے جھٹکے سے ملا۔ وہ اپنی جبلت کی افتادِ طبع سے خود ہی نالاں بھی تھے جس کی ایک وجہ یہ تھی کہ انہوں نے نہ صرف کبھی کل وقتی شاعر بننا گوارا نہیں کیا بلکہ شاعر کہلوانے سے بھی صاف انکار کرتے ہوئے یہ دلیل اختیار کی کہ میں نے کاغذی شیر بننا کبھی بھی پسند نہیں کیا اور دوسری رکاوٹ ان کی سائنس میں اعلیٰ تعلیم بن گئی جو پاکستان کے علاوہ یورپ اور امریکہ سے حاصل شدہ تھی جہاں شاعروں کو کارآمد اور قابل استعمال وقت کا دشمن سمجھ کر تنقیدی چھلنیوں سے گزارا جاتا تھا۔ اس کے باوجود تین چار برس میں عروض سمجھے بغیر سینکڑوں غزلیات کہہ دینا شاید ساحر لدھیانوی کی کتاب "تلخیاں" بنی جو عین ناکام عشق کے دوران ان کے ہاتھ لگ گئی تھی۔ ڈاکٹر صاحب چونکہ اپنی ہر نگارش کو بچوں کا سا پیار دیتے ہیں اس لئے انہیں بعض دوستوں نے کلام شائع کرنے پر قائل کر لیا جن میں عروض کی استاد محترمہ کنیز بتول کھوکھر کا بڑا ہاتھ ہے جنہوں نے ڈاکٹر صاحب کی لگ بھگ ایک کتاب کے مواد کو عروض پر بھی ڈھال دیا اور جہلم کے ایک استاد شاعر کاشف بٹ نے

بھی ناقابل تردید مدد کی۔ ڈاکٹر سلطان محمود جب اپنی فکر کو تحریری شکل دینے لگے تو انہیں معاصرین نے بے حد مشکل سے راضی کیا کہ وہ اپنے چالیس برس پرانے کلام کو بھی اپنی تحریر میں شامل کریں۔ یہ شاید ڈاکٹر صاحب کی غلطی یا صرف نظر ہی سمجھا جائے گا کہ وہ بہترین کلام غیر ممالک میں تو اردو کمیونیٹی کو توسناتے رہے لیکن ملک عزیز کے اندرونی حلقوں میں قدم تک نہ رکھا۔ البتہ وہ ہمیشہ اپنے برادر بزرگ ڈاکٹر حسن اختر مرحوم، استاد پروفیسر عظمت اللہ خان مرحوم اور دیگر ادبی مقربین کا ذکر بہت شوق اور محبت سے کرتے ہیں۔

سیریز دہم: تصویری مسافت

بھلا ہو ورلڈ بنک کا جس نے ڈاکٹر سلطان محمود کو تصویری بنک بنانے کی عادت ڈال دی۔ حالانکہ انہوں نے محض دس برس کی عمر میں جیب خرچ بچا کر کوڈک کا دس روپے کا کیمرہ 1967 میں ہی خرید لیا تھا اور اپنے بھائی ہمایوں شوکت کے واحد جس تحفے کی وہ قدر کرتے تھے وہ اس کا امریکہ سے لایا ہوا کیمرہ یاشیکا 124 تھا۔ ایسے ہی ان کے استعمال میں وارسا پولینڈ میں روسی کیمرے "زینتھ"، جرمن "بیٹنس" اور جاپانی "نیکن" کیمرے بھی رہے لیکن پھر ڈیجٹل کیمروں اور موبائل کیمروں نے تو انہیں نہال ہی کر دیا۔ ان کے پاس بزرگوں کے علاوہ مشاہیر زمانہ کی بیشمار تصاویر بھی موجود ہیں جو ہر وقت ان کے لیپ ٹاپ اور سیل فونز کی سپیس کھاتی نظر آتی ہیں۔ اس مشکل کے ہاتھوں انہوں نے مجبور ہو کر اور میاں وقار الاسلام کی صلاح لے کر فیصلہ کیا ہے کہ اپنی زندگی کی کہانی کی تصویری دسویں سیریز کیس شکل میں بنائیں گے۔

سیریل	عنوان	کیٹاگری	صفحہ نمبر
801	دو ادارے اور ڈوبے		
802	مجھے میرے دوست سے بچاؤ		
803	روزہ صحتمند زندگی کا راز ہے		
804	کارپوریٹ فارمنگ تباہ کن ہو گی		
805	فارم 45 اور 47 میں فرق کا سیاسی نقصان		
806	آبادی کا بم		
807	رووں دل کو یا پیٹوں جگر کو میں		
808	In Case We Were United		
809	حسن کی تعریف		
810	اکتایا ہوا مسافر		
811	سائنس اور مذاہب		
812	متنازع طریقہ علاج		
813	ردی والا		
814	کیا مرغبانی خطرناک ہے		
815	ہوس نے ٹکڑے ٹکڑے کر دیا		
816	ڈگری ڈگری ہے اصلی ہو یا نقلی		
817	انٹرنیٹ کی پیداوار		
818	اعلان شکست		
819	ہمارا بے مقصد نظام تعلیم		
820	مسلمان مسلمان سے محبت نہیں کرتا		
821	حجامہ اور جدید سائنس		
822	ٹھنڈ، حسن اور کافی		

823	دبئی میں تباہ کن بارش		
824	جلدی میں بلدی		
825	بری حکمرانی		
826	سوشل میڈیا کا المیہ		
827	توہین رسالت		
828	ہم بھی وہیں موجود تھے		
829	چوراہے کا بھکاری		
830	تاریخ اسلام سے لاعلمی		
831	کالی زبان		
832	پاکستانی ڈگری کوئی نہیں مانتا		
833	زندہ مردہ میں فرق		
834	مرکے مٹی		
835	عذر لنگ		
836	ماحول دوست لائیو سٹاک آپریشنز		
837	ریسرچ چوری میں بھی ہم دو نمبر		
838	Who Created Pakistan		
839	حضرت احسان دانش		
840	غذائی نشے		
841	طبعی موت کا سفر پاؤں سے شروع ہوتا ہے		
842	شکر ہے میں خوش قسمت ہوں		
843	زراعت کی تباہی		
844	شیپنگ یا شخصیت سازی		
845	تیز دماغ کی نشانیاں		

846	مخالفانہ تھیوری		
847	آگنا سٹکس		
848	موسمی تبدیلی اور دماغی صحت		
849	ادھورا سچ		
850	ایک خطرناک بحث		
851	اردو کا بیڑہ غرق		
852	ہمیں یوم حساب کا ڈر نہیں		
853	غربت جرم ہے		
854	پیارا محکمہ حیوانات		
855	کیا امیر سچا ہوتا ہے		
856	پچھم کے چور		
857	پاکستان اور مئی کا مہینہ		
858	ریکوڈک پر امریکی قرضے کی پیشکش		
859	میں اور تارڑ		
860	مارو گھٹنا پھوٹے آنکھ		
861	بنیادی ماحولیات		
862	قطرہ قطرہ دریا		
863	نس بندی		
864	بدترین حکمرانی		
865	اندرونی دشمن		
866	ہاروے کی تعریف		
867	تہذیب ٹائپ ون کی آمد		
868	زندگی کا مقصد کیا ہے		

869	پرانا کالم		
870	کیا قربانی فرض ہے		
871	آدھی صدی کا قصہ ہے ایک دو برس کی بات نہیں		
872	پودوں کے سائنسی نام		
873	دیسی ولائتی		
874	دعا بد دعا		
875	کہیں میں احمق تو نہیں		
876	سودی نظام		
877	گئے صفر اور اللہ ڈوائے کے زمانے		
879	پرانا شربت		
878	نامعلوم سفر		
880	ادب چور	جولائی بوجوہ الگ	
881	ملا اور عالم	یہ کالم غلطی سے	
882	مرد عورت کے دماغ میں فرق	نامکمل ہے۔ باقی کا	
883	مہنگی بجلی	غلطی سے کالم	
884	نمبر گیم	xxڈیلیٹ ہو گیا	
885	ای کیپ کا نواں ماہانہ اجلاس		
886	ان بھنے تیتر اڑانا		
887	ایک اور اعزاز		
888	انداز بیاں		
889	قول و فعل میں تضاد		
890	بچپن اور پچپن		
891	ساتھی کی خواہش		

892	خود فراموشی		
893	شیعہ اور مسلمان میں مکالمہ		
894	شیعہ الگ مذہب بن چکا ہے		
895	فارمی چکن		
896	ایک شادی کا نتیجہ		
897	کیا ہم زندہ ہیں		
898	ہم کس کے ساتھ زیادتی کرتے ہیں		
899	زندگی اک تیر ہے		
900	علم سے خالی ڈگریاں		

"دو ادارے اور ڈوبے"

کالم میٹھا سچ 801 از ڈاکٹر سلطان محمود
لاہور، یکم اپریل 2024ء

افسوس اب ماں جیسی پی آئی اے پر یہ وقت آ گیا ہے کہ اس نے جن بچوں کو اڑنا سکھایا تھا اب وہی اسے مرتے وقت خرید لیں گے۔ بہت عرصہ قومی ایئر لائن کو فوجیوں نے چلایا، ایئر بلیو کے مالک خاقان عباسی اور شوکت عزیز بھی اس کے مالکان میں رہے اور اس کے علاوہ کئی سیاستدانوں بھی سربراہ رہے۔ اس کے تمام سابق مالکان اور سربراہان کھرب پتی ہو گئے ہیں مگر ماسوائے ایئر مارشل نور خان کے سبھی نے ایئر لائن کو غربت اور افلاس کی ایئر پاکٹس میں ہچکولے لیتا چھوڑ دیا۔
قومی ایئر لائن جہاں مر رہی ہے وہاں پشاور کی زرعی یونیورسٹی بھی جاں بلب ہے اور بند ہونے جا رہی ہے۔ 1974ء میں بھٹو نے جس تعلیم کو اپنی نااہلی اور غدارانہ مقاصد پورے کرنے کے باعث قومیا لیا تھا وہاں کے تعلیمی ادارے آہستہ آہستہ اب اپنی آخری سانسوں کی جانب بڑھ رہے ہیں۔ بھٹو کا خانوادہ بھی اب دنیا کے کھرب پتیوں میں شمار ہوتا ہے لیکن اس کی دیدہ دانستہ پالیسیوں کے باعث تعلیم بھی اب آخری سانسوں پر ہے۔
اللہ تعالیٰ قومی اداروں کو تباہ کرنے والوں کی نسلیں اپنی دولت سمیت مٹ جائیں لیکن ہمیں معلوم ہے کہ ہم منافقین کی بد دعائیں بھی ان کو نہیں لگیں گی۔
ڈاکٹر سلطان محمود

"مجھے میرے دوست سے بچاؤ"
کالم میٹھا سچ 802 از ڈاکٹر سلطان محمود
لاہور، 2 اپریل 2024ء

بعنوان: کیوں نہ مدعی مستقلاً کرونیز گروپ سے نکل جائے
مدعی: ڈاکٹر سلطان محمود (دبئی)
مدعِ علیہ: ڈاکٹر ارشد علی چوہدری (کینیڈا)
بعدالت: کرونیز گروپ
بتاریخ: 2 اپریل 2024ء
تاریخ فیصلہ: عیدالفطر سے پہلے پہلے
:اراکین عدلیہ

(1) @FSISriLanka Sunil GamagePDI (Chief Justice) (2) @FSICrony Dr Lateef MianPDI (Member) and (3) @FSIUSA AkramulHaqPDI (Member)

(Sorry to CJ. Text will be translated into English for you later on)

میں آپ پینل آف ججز سے التماس کرتا ہوں کہ آپ ارشد کی میرے بارے عدم برداشت اور بگڑتی ہوئی حاسدانہ اور بے قابو ذہنی حالت کا جلد از جلد جائزہ لیں۔
میری شکایت کی تفصیل درج ذیل ہے:

اگر میرے ادا کئے گئے ایک لفظ کو بھی کوئی ایک ایسا ساتھی برداشت نہ کر سکے جو کسی بھی دوسرے رکن گروپ کی کسی بھی بات کا جواب نہ دیتا ہو تو کیا یہ بڑھاپے کے باعث مدعا علیہ کی قوت برداشت، خصوصاً مدعی بارے جواب دے چکی ہے کہ وہ مجھے ہر وقت نشانہ بنائے رکھتا ہے اور کسی دوسرے ساتھی کی ان سے بھی بری اور قابل اعتراض پوسٹوں پر ایک لفظ بھی ادا نہیں کرتا۔

آج صبح میں نے فضل الرحمان بارے ایک پوسٹ گروپ میں اس لئے لگائی تھی کہ اس کا گروپ میں چور نواز شریف، ڈکیت زرداری اور شیر عمران کی طرح کا کوئی خاص فین موجود نہیں مگر اسے بھی ارشد نے ڈینس للی کی طرح مکمل باہر جاتی پوسٹ کو بھی کیچ کر لیا اور اسے عمران شیر سے جوڑ دیا جس عمران سے ارشد کو ایسے بیر ہے کہ جیسے اس شیر نے ذاتی طور پر اس کی عزت لوٹی ہو۔

میری پوسٹ اور اس پر ارشد کے دونوں کومنٹس عمومی نوعیت کے نہیں بلکہ نامناسب اور ذاتی نوعیت کے ہیں جس سے آپ (تینوں ججوں) پر یہ بات ثابت کی جا سکتی ہے کہ ارشد کے دل میں صرف میرے بارے ہی بغض اور پیشہ ورانہ حسد لبالب بھرا ہوا ہے ورنہ حسن، اکرام اور احسان کی لگائی گئی ایسی ہی پوسٹوں پر وہ مکمل خاموش ہوتا ہے اور کبھی پلٹ کر جواب نہیں دیتا ماسوائے احسان کے پھولوں پر وعلیکم السلام کہنے کے۔

مجھے ججوں میں سے بھی اپنے پیارے دوست لطیف سے شکایت ہے کہ بعد ازاں اس جیسا سمجھدار دوست بھی الٹا مجھے ہی یہ کہتا ہے کہ میں بحث شروع کرتا ہوں۔ جب کہ آج ارشد کے حاسدانہ دماغ کا پول کھل گیا ہے اور یہ حقیقت واضح ہو گئی ہے کہ اب اس کا بڑھاپے کے مارے بے بس دماغ صرف میری بات سے ہی تڑختا اور چٹختا ہے۔

آپ کرونیز کے علاوہ میرے دیگر حلقہ احباب میں مڈل سکول کے دوست، نوکری اور کاروبار کے ساتھی، کزنز رشتے دار، محلے دار، اہم اور غیر اہم شخصیات نیز بہت سارے غیر ملکی ساتھی بھی الگ الگ گروپس میں شامل ہیں۔ خدا گواہ ہے کہ کسی نے بھی کبھی ارشد کی طرح ذاتی نوعیت کی بحث کا آغاز نہیں کیا جس سے ان احباب کی بالغ نظری اور قوت برداشت کی تصدیق ہوتی ہے اور یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ میرے دل و دماغ میں بھی ارشد جیسے خناس کا گزر بسر نہیں۔ ممکن ہے کہ بدقسمتی سے ارشد میرے مقابل کسی طرح کے ایسے احساس کمتری کا شکار ہو گیا ہو جیسا کسی خوبیوں سے خالی شخصیت کا کسی قابل انسان سے ہوتا ہے۔ یا کسی ایسے مقابل کا کہ جس کی کمیونیکیشن یا زبان و بیان کافی حد تک کمزور اور غریب ہو۔ یعنی جو انگریزی یا اردو میں دو مکمل فقرے بھی خود سے نہ لکھ سکتا ہو اور اگر کبھی لکھ بھی سکے تو نقل کر کے لکھے یعنی کاپی ماسٹر ہو۔ آگاہی کی خاطر عرض کروں گا کہ میں خود بھی گروپ چھوڑنا نہیں چاہتا تبھی پچھلے دنوں ایسے ہی کسی اختلاف پر خاموشی اختیار کر لی تھی مگر گروپ نہیں چھوڑا تھا۔ جس پر اسی میرے پیارے دوست ارشد نے فون کر کے معذرت کی اور میں دوبارہ متحرک ہو گیا۔ اگر آپ جج صاحبان چاہیں تو میں سکہ بند لکھاری اور اردو انگریزی کی چار درجن کتب کا مصنف ہونے کے باوجود اپنی ذاتی نگارشات شیئر نہ کیا کروں بلکہ احسان کی طرح ادھر ادھر سے بھیجے گئے پھول اٹھا اٹھا کر شیئر کرتا رہوں یا حسن کی طرح دوسروں کی پوسٹیں اٹھا اٹھا کر پھینکتا چلا جاؤں جو کہ روزانہ سو سے زائد بھی ہو سکتی ہیں یا پھر غفور کی طرح گروپ ہی چھوڑ جاؤں۔

آپ کے منصفانہ فیصلے کا انتظار رہے گا۔

ملتمس ڈاکٹر سلطان محمود

Reference

کرونی ڈاکٹر ارشد علی چوہدری

آپ کے لئے اسلام فروش ہو سکتے ہیں لیکن بہت لوگوں کے لیے عالم اسلام بھی۔
آپ کے لیڈر ان سے مدد لینے کیوں گئے۔ اس کا کیا مطلب، ضرورت کے لیے گدھا بھی باپ ۔

"روزہ صحتمند زندگی کا راز ہے"
کالم میٹھا سچ 803 از ڈاکٹر سلطان محمود
لاہور، 2 اپریل 2024ء
روزہ اور سائنس
روزہ صحت مند زندگی کا راز ہے
از ڈاکٹر سلطان محمود
« چیف کنسلٹنٹ یوٹیوب چینل "تھنک ٹینک ایکو کیئر»
لیکچر 1
روزے کی مذہبی افادیت سے تو سبھی واقف ہیں لہٰذا آج ہم سائنسی نقطہ نظر سے اس بات پر روشنی ڈالیں گے کہ روزے کا ہماری صحت اور نفسیات پر کیا اثرات ہیں؟
روزے کا تعلق ہمارے کھانے پینے کے اوقات کی اس بگڑی ہوئی عادت کی درستگی سے ہے جو ہمیں سال میں ایک ماہ کے لئے یاد دہانی کراتی ہے کہ ہم سورج کے سفر کے ساتھ ساتھ اپنے کھانے پینے کے اوقات مقرر کریں۔ ماہ صیام میں اس بات کی ثانوی حیثیت ہے کہ کیا زیادہ کھانے سے صحت منداور لمبی زندگی گزاری جا سکتی ہے، کم کھانے سے یا مناسب کھانے سے؟
روزہ رکھنے کا دوسرا مقصد ماہ رمضان میں مرغن کھانوں سے پرہیز، بھاری افطاری کی ممانعت اور نظام انہضام میں زہریلے مادوں کے اخراج سے ہے۔ جبکہ تیسرا مقصد سال کے باقی گیارہ ماہ میں رمضان والے اوقات کی پابندی ہے۔
ہم جو کچھ بھی کھاتے ہیں یہ ہمارے جسم میں حرارے یا کیلوریز میں تبدیل ہونے کے بعد ہمارا گلوکوز میٹابولزم یا انرجی میٹابولزم چلتا ہے جس سے ہمارے جسم میں اتنی توانائی پیدا ہوتی ہے کہ ہم روزمرہ کے کام کرنے کے قابل ہو سکیں۔ اس مقصد کے لئے ہمارے جسم کے ہر خلیئے میں

نامی میٹابولائٹ یا کوانزائم ہوتا ہے جو توانائی کے نظام کو چلانے کے ساتھ ساتھ دل کے NAD کام کو بھی متوازن کرتا ہے۔ کم یا زیادہ کھانے سے یہ متحرک ہو کر ضرورت کے مطابق کم یا زیادہ توانائی بناتا ہے۔اس کا صحت مند درجہ اس وقت ہوتا ہے۔

عام آدمی کا خیال ہے کہ اگر ہم زیادہ پروٹین دودھ گوشت کی شکل میں لیں گے تو صحت مند رہیں گے۔ گو کہ یہ اتنا غلط بھی نہیں لیکن اگر ہم اپنی عمر، قد اور جنس کے حساب سے زیادہ کھائیں گے تو ہمارے نظام میں فری ریڈیکلز پیدا ہو کر اعضاء پر بمباری کرتے ہیں اور اس کو نارمل کام کرنے کے قابل نہیں رہنے دیتے۔ نیز مسلسل ایسا کرنے سے مختلف کینسر جنم لے سکتے ہیں۔آپ نے کینسر کا نام پچھلے چالیس پچاس برسوں سے تسلسل سے سنا ہوگا لیکن ہم پھر بھی اسے کینسر سے نہیں جوڑتے۔

روزے یا فاقے کی حالت میں ہمارا جگر زیادہ صحت مند انداز سے کام کرتا ہے اور جگر میں چربی جمع ہونے یا فیٹی لیور نہیں ہونے دیتا جو کہ بے تکا کھانے پینے سے تقریباً ہر دوسرے تیسرے بندے کو یہ مسئلہ درپیش ہے۔ اگر ہم جگر کو اوپر سے دبا کے دیکھیں تو ہمیں پھولا ہوا نظر آ سکتا ہے۔ ذرا اندازہ لگائیں کہ اگر ہم مسلسل تیس دن مخصوص اوقات میں فاقہ کریں تو جگر اور معدہ اپنی اصلی جسامت پر واپس آ سکتے ہیں۔ دنیا کی سبھی ترقی یافتہ اقوام نے روزے کا لفظ نہ بھی استعمال کیا ہو لیکن مقصد وہی چند گھنٹے خالی پیٹ رہنا ہوتا ہے۔ جس سے نظام میں موجود زہریلے مادے صاف یا ڈی ٹاکسیفائی ہونے شروع ہو جاتے ہیں اور پھر نتیجے کے طور پر جگر پر بوجھ کم ہو جاتا ہے۔

دو کھانوں کے درمیان جتنے طویل وقفے یوں گے وہی ہمارے جسم کے لئے اچھا ہے اب چاہے ہم اسے مذہبی نکتہ نظر سے دیکھیں یا سائنسی نظر سے۔ اگر روزہ ہمیں روزانہ تین سے دو کھانوں پر لے آئے تو ہم زیادہ صحت مند رہیں گے۔

ایک اہم بات پر دھیان دینا بہت ضروری ہے کہ ہمیں افطاری میں بھی احتیاط برتنی چاہیے اور ہم زیادہ کھانے کہ عادت کو دوبارہ سے اپنے اوپر سوار نہ کریں یعنی کم کھانا زندگی کو صحت مند لمبا کرنے کی گارنٹی ہے۔ گرمی کے رمضان میں جسم سے پانی کی کمی ہو سکتی ہے جسے افطار و سحر کے درمیانہ وقفے میں پورا کیا جا سکتا ہے۔

اہم نکات

۔ روزہ کھانے پینے کی مقدار سے زیادہ اوقات کو درست کرنے کا نظام ہے جسے اگر ہم باقی گیارہ ماہ لاگو نہ کر سکے تو گویا کہ ہم قدرت کو سمجھ نہیں سکے۔

۔ کھانے کے اوقات میں لمبے وقفے کرنے سے جسم سے چربی، خطرناک فری ریڈیکلز اور دیگر زہریلے مادوں کا اخراج ہونے لگ جاتا ہے جس سے کینسر اور موٹاپے جیسے موذی امراض سے بچا جا سکتا ہے۔

۔ اگر رمضان کے بعد وزن بڑھ گیا ہو تو یہ اس نکتے کی جانب اشارہ ہے کہ ہم نے رمضان جیسا نادر صحت کا تربیتی پروگرام ضائع کر دیا ہے۔

"کارپوریٹ فارمنگ تباہ کن ہو گی"
کالم میٹھا سچ 804 از ڈاکٹر سلطان محمود
لاہور، 4 اپریل 2024ء

پاکستان میں بے پناہ بڑھتی آبادی اور جواباً حکومتی نالائقیوں کے پیش نظر پہلے ہی سے عوام غذائی عدم تحفظ کا شکار ہے لیکن بجائے آبادی کے پھٹے ہوئے بم سے ہونے والی تباہی کم کرنے یا غذائی پیداوار بڑھانے کے حکومت نے غذائی اجناس بارے ایک ایسا فیصلہ کر دیا ہے کہ جسے جان کر کم از کم ہمارے پاؤں تلے سے تو زمین سرکنا شروع ہو گئی ہے اور خطرے کی گھنٹی کی آواز بلند ہوتی محسوس ہو رہی ہے۔ یہ فیصلہ ہے کارپوریٹ فارمنگ کے اعلان کا۔ آیئے پہلے سمجھتے ہیں کہ کارپوریٹ فارمنگ ہے کیا اور مستقبل میں یہ غذائی عدم تحفظ کو کیسے فروغ دے گی؟

عرف عام میں زراعت کو کاروباری شکل میں ڈھالنے کے لئے بڑی بڑی کارپوریشنز کو دعوت دینا کہ وہ ملک کی زرعی زمینوں کو استعمال میں لاتے ہوئے وسیع پیمانے پر غلہ اگائیں کارپوریٹ فارمنگ کہلاتا ہے۔ پاکستان میں پہلے ہی فوج پورے ملک میں زراعت کو اپنی گرفت میں لے چکی ہے اور اب ملک میں کارپوریٹ فارمنگ کے نعرے لگنے شروع ہو گئے ہیں بلکہ حکومت نے سوا دو کروڑ ایکڑ زمین کو کارپوریٹ فارمنگ کے لئے مختص کرنے کا اعلان بھی کر دیا ہے۔ اب ظاہر ہے یہ ساری زمین عام کاشتکار سے لے کر ہی بڑی سرمایہ کار کمپنیوں کو دی جائے گی۔ جس سے عام کسان اپنی زمین سے ہاتھ دھو بیٹھے گا کیونکہ سارے زرعی آپریشنز بڑی کمپنیوں کے ہاتھ میں چلے جائیں گے۔

کارپوریٹ فارمنگ کی ایک وہ زندہ مثال پیش خدمت ہے جس پر جنوبی پنجاب میں عمل کیا بھی جا چکا ہے۔ پچیس ہزار افراد پر مشتمل ساڑھے تین ہزار خاندانوں سے ستائیس سو ایکڑ زمین خرید کر انہیں فارغ کر دیا گیا ہے اور بدلے میں اس زمین پر صرف تین سو مستقل ملازم رکھ کر کام چلایا جا

رہا ہے۔ سال میں دو بار کٹائیوں پر پانچ پانچ سو مزدور عارضی طور پر بھرتی کر کے انہیں بھی فارغ کر دیا جاتا ہے۔ وہ پچیس ہزار افراد جن کی کفالت یہ زمین کرتی تھی اب ان کا اس زمین سے حاصل شدہ پیداوار پر کوئی حق نہیں اور وہ سبھی گندم کو ویسے ہی خریدنے پر مجبور ہیں جیسے دیگر بے زمین عوام۔

اگر ایسا نظام پورے ملک کے ایک کروڑ زرعی خاندانوں پر مشتمل سات کروڑ عوام پر لاگو کر دیا جاتا ہے تو روز روشن کی طرح صاف نظر آ رہا ہے کہ کل غذائی پیداوار چند ہاتھوں میں مرتکز ہو کر رہ جائے گی۔ اور پھر خود اندازہ لگا لیں کہ کسان خاندانوں سمیت باقی عوام کا کیا حال ہو گا؟ ہم افریقہ میں اس نظام کی تباہ کاریاں پہلے ہی دیکھ چکے ہیں۔ اسی افریقی ماڈل کو سامنے رکھ کر اب ایک اور ممکنہ کاروائی کا ذرا پیشگی اندازہ لگا کر دیکھئے۔ مثال کے طور پر کمپنی مالکان صرف وہ فصلیں ہی اگائیں جو کمپنی کی ترجیحی فہرست میں شامل ہوں اور ملکی آبادی کی طلب سے مختلف ہو تو پھر عام صارفین کی طلب کہاں سے پوری ہو گی؟ اگر کمپنی غیر ملکی ہوئی تو وہ عالمی منڈی یا اپنے ملک کی ضرورت کی فصلیں اگا کر معاہدے کے مطابق نوے فیصد غلہ باہر لے جا کر منافع حاصل کر سکے گی۔ اگر کمپنی پاکستانی بھی ہوئی تو اسے غلہ برآمد کرنے سے کون روکے گا؟ یوں مقامی افراد کی ضرورت کا تقریباً سارا غلہ ملک سے باہر نکل جائے گا اور جو دس فیصد باقی رہ جائے گا وہ کسان تو کسان عام آدمی کی دسترس میں بھی شاید نہ رہ سکے۔ اور کریلہ نیم چڑھا کے مصداق اصل کسان اور اس کا ہاری ملک سے غائب ہو جائے گا نیز عوام کی اکثریت سطح غربت سے بہت نیچے گر کر شدید غذائی قلّت کا شکار ہو سکتی ہے۔

کارپوریٹ فارمنگ کا اگلا نقصان غذائی فصلوں کے کراپنگ پیٹرن کی تبدیلی سے ہو گا کیونکہ بیرونی کمپنیاں اپنی ضرورت کا غلہ کسی اور ملک سے حاصل کریں گی جہاں کا موسمیاتی و ماحولیاتی پس

منظر مختلف ہو سکتا ہے ان حالات میں بیرونی کمپنیوں کی پیداوار کا اندرون ملک عوام کی طلب سے تعلق ہی نہیں رہے گا۔

جب اتنی بری پالیسیوں کا ذکر ہو رہا ہے تو ذرا کارپوریٹ فارمنگ کے ساتھ پرائیویٹائزیشن یا نجکاری کو بھی جوڑ کر دیکھیں تو منظر نامہ اور مہلک ہو کر سامنے آتا ہے جسے ایک عام سا باشعور بندہ بھی آسانی سے سمجھ سکتا ہے کہ ایسے پروگرام زراعت اور غذائی اجناس کی مکمل تباہی والے ہوتے ہیں اور ایسی پالیسیاں تباہی کے پروانوں کے علاوہ بھلا اور کیا ہو سکتی ہیں؟ اگر زرعی زمین پر فوج کی حصہ دار بیرونی کمپنیاں بنتی ہیں تو مزدوروں کے ساتھ زمیندار بھی فارغ ہو جائے گا اور خدا نخواستہ کہیں افریقہ والا منظر نامہ نہ بن جائے کہ جہاں غیر ملکی کمپنیوں کے محض جنرل مینیجر کی سطح کا بندہ فیصلہ کرتا ہے کہ ملک کا آئندہ صدر یا وزیر اعظم کون ہو گا۔

ایک نہایت اعلیٰ ماحولیاتی عہدے سے ریٹائرڈ ایک محترم شخصیت نے ہمارا غذائی عدم تحفظ پر وارننگ والا ایک ٹی وی پوڈکاسٹ دیکھ کر عدم اتفاق یہ کہہ کر دیا کہ فکر نہ کریں اس بار گندم کی ایک بمپر فصل ہوئی ہے۔ شاید انہیں یقین ہو گا کہ مستقبل میں بھی ایسے ہی ہوتا رہے گا۔ خیر ہمیں افسوس یہ ہوا کہ عدم اتفاق کے باعث پہلا کام انہوں نے پاکستانی انداز میں کر دیا یعنی ہم سے جدا ہو گئے اور پھر اپنے کمفرٹ زون میں بیٹھ کر ہم پر اپنے محدود سنے سنائے قرآنی و صوفیائی علم کے مذہبی ٹینک سے طنزیہ گولہ باری شروع کر دی۔ خیر ہم نے ادب سے سارا معاملہ سنبھال تو لیا لیکن ہمیں حسب توقع دو ایک بونے ماہرین کی خوشامدانہ بھنبھناہٹ بھی جب ارد گرد محسوس ہوئی تو حیرت سے یہ عقدہ کھل گیا کہ ہمارا ملک بھلا کیوں ماحولیاتی اور غذائی تحفظ کے محاذوں پر پہ در پہ شکست کھاتا چلا جا رہا ہے۔ وجہ صاف ظاہر ہے کہ ہمارے زیادہ تر ماہرین ماحولیات بھی اللہ کے فضل سے "نام نہاد" ہی ہیں کیونکہ اکثریت کا تعلق ماحولیاتی سائنس کے مضمون سے ہی نہیں۔

اب دوبارہ آتے ہیں کارپوریٹ فارمنگ اور نجکاری کے مہلک جوڑ کی جانب۔ مثلاً جہاں ٹیلی کام کی صنعت کو سو فیصد اور بنکنگ کو اسی فیصد نجی ملکیت میں دیا جا چکا ہے نیز ہم پی آئی اے، ریلوے، سٹیل مل اور ایسی ہی دیگر عوامی استعمال کی صنعتوں کی بھی نجکاری کرنے والے ہیں۔ فرض کریں اگر کل کلاں کارپوریٹ سیکٹر میں نجکاری کے ذریعے مسابقت کے انداز میں کوئی بھارتی یا دشمن کمپنی ہماری زرعی پیداوار کو خرید لیتی ہے تو نتیجے کا خود اندازہ لگالیں۔ اور اگر ٹیلی کام انڈسٹری کو لے لیتی ہے تو قومی تحفظ کہاں گیا؟

کارپوریٹ فارمنگ اور نجکاری کے جوڑ سے غذا کی جو قلّت ہو گی وہ تو ایک جانب مگر دیگر تمام اشیائے ضروریہ بھی ہمارے ہاتھوں سے پھسل کر دشمن کے ہاتھ میں جا سکتی ہیں۔ اللہ فیصلہ سازوں کو عقل سلیم کے ساتھ ساتھ حب الوطنی کی دولت سے بھی سرفراز فرمائے۔ آمین۔

ملک افضل

ڈاکٹر

کارپوریٹ فارمنگ سمیت نیک نیتی سے برابری کی بنیاد پر معاشی ترقی بری چیز ہر گز نہیں بشرطیکہ اسے لغوی معنوں ہی کی روشنی میں پبلک پرائیویٹ پارٹنرشپ کے طور پر غذائی تحفظ کے ہتھیار کے طور مندرجہ ذیل شرائط کے تحت چلایا جائے:

اس ضمن میں میں نے دس لازمی اقدامات کا ذکر کیا ہے جسے ملک افضل صاحب کے تجویز کردہ) (مکالمے کے طور پر کسی مناسب وقت پر پیش کر دیا جائے گا۔

لازم اقدامات مندرجہ ذیل ہیں:

۔ ملک کی صرف بنجر زمینوں پر ہی زراعت کو ترقی دی جائے گی۔

۔ اس پر کسان کو ملازم رکھنے کی بجائے پارٹنرشپ کی شکل دی جائے۔

۔سب سے پہلے مقامی آبادیوں کے غذائی تحفظ کی خاطر وہی فصلیں اگائی جائیں جن کی مقامی منڈی میں طلب ہو۔
۔اس میں حکومت کی جانب سے صرف محکمہ زراعت حصے دار ہو اور وہ بھی۔

"فارم 45 اور 47 کے فرق کے سیاسی نقصانات"
کالم میٹھا سچ 805 از ڈاکٹر سلطان محمود
لاہور، 5 اپریل 2024ء

گو کہ الیکشن نتائج تبدیل کرنا ایک سیاسی معاملہ ہے لیکن یہ عمل عوام میں جھوٹ، دروغ گوئی، دھوکے، دھونس اور بے ایمانی جو جنم دیتا ہے۔
قریب ترین پڑوسی ایران سے سستی ترین گیس نہیں خرید سکتے۔
خواہش کے باوجود روس سے پٹرول نہیں خرید سکتے۔
شدید رنج کے باوجود فلسطین کی زبانی بھی حمایت نہیں کر سکتے۔
بیشمار فوائد کے باوجود بھارت سے تجارت نہیں کر سکتے۔
بیشمار نقصانات کے باوجود افغانی مہاجرین کو واپس نہیں بھیج سکتے۔
شدید خواہش کے باوجود اسلامی بلاک نہیں بنا سکتے۔
انتہائی آسان اور سستا ہونے کے باوجود پڑوسی ممالک کا سفر نہیں کر سکتے۔
ایٹمی طاقت ہونے کے باوجود مطلوبہ بجلی نہیں بنا سکتے۔
تیل، گیس، کوئلہ، سونا، تانبہ وغیرہ جیسی بیشمار قدرتی معدنیات رکھنے کے باوجود انہیں اپنی مرضی سے کھود کر باہر نہیں نکال سکتے۔

جنگلات کو مافیا کے ہاتھوں کٹنے اور لٹنے سے نہیں بچا سکتے۔
پوری آبادی کے لئے خوراک پیدا کر سکنے کے باوجود زرعی زمین کو لینڈ مافیا سے نہیں بچا سکتے۔
پچیس کروڑ کے ہجوم کو ایک قوم میں بدلنے کے لئے مشترکہ نظام تعلیم لاگو نہیں کر سکتے۔
خواندگی کی عالمی تعریف کے مطابق لوگوں کو صرف اپنا نام لکھنا سکھا کر شرح سو فیصد نہیں کر سکتے۔
افریقہ سے بھی گرا ہوا نظام تعلیم بدل کر محض بنگلہ دیش جیسا کرنے کی اہلیت کے باوجود بھی نہیں کر سکتے۔
غیر سیاسی ججوں کی موجودگی کے باوجود اپنے نظام انصاف کو دنیا میں سب سے گھٹیا درجے تک گرانے سے روک نہیں سکتے۔
بجلی نہ بنا کر بھی مافیا کو قیمت وصول کرنے سے نہیں روک سکتے۔
پے در پے عمرے، حج، نمازیں اور روزے رکھنے کے باوجود قوم میں ایمانداری پیدا نہیں کر سکتے۔

"آبادی کا بم"
کالم میٹھا سچ 806 از ڈاکٹر سلطان محمود
لاہور، 5 اپریل 2024ء
عبیدالرحمٰن
ان اعداد و شمار کے گورکھ دھندوں کی حقیقت کسے معلوم نہیں۔ یہ مغربی این جی اوز کی اٹھکیلیاں ہم سے نہ کریں۔ جن کی عورتیں بچے پیدا کرنے کو تیار نہیں اور نتیجتاً جوانوں سے زیادہ بوڑھوں کی تعداد بڑھتی جارہی ہے۔
اب انہوں نے ہمارے خاندانی نظام کی مضبوطی کو توڑنے اور شرح آبادی کم کرنے کو دامے درمے قدمے سخنے اقدامات شروع کیے کبھی عورتوں کو آزادی کا چکمہ دے کر خاندانی نظام منتشر کرنا شروع کیا کہیں بے راہ روی سے نوجوان ناکارہ بنانے شروع کیے کہیں صحت ایشو کو ٹارگٹ کر کے ایسی ویکسین لازم قرار دے کر فری سپلائی کیں جو بارآوری میں رکاوٹ بنیں کبھی ٹرانس جینڈر ایکٹ جیسی حرام کاریوں سے جنسی تلذذ کو تسکین دینے اور آبادی کا گروتھ ریٹ کم کرنے کی قانونی سازش کرنا چاہی اور کبھی میڈیا وار میں دو بچے ہی کافی ہیں کا سلوگن دیا۔ اب ہمارے محبوب خاتم النبیین کی حدیث مبارکہ سے رہنمائی لیں ان تمام فتنوں کا زور توڑنے کا کافی ہے
ارشاد نبوی صلّی اللّٰہ علیہ وآلہ واِصحابہ و بارک وسلّم ہے: حضرت معقل بن یسار رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک آدمی رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا اور کہنے لگا: مجھے ایک خاندانی اور مرتبے والی عورت ملی ہے مگر وہ بانجھ ہے۔ تو کیا میں اس سے شادی کرلوں؟ آپ نے اسے منع فرما دیا' پھر وہ دوبارہ آپ کے پاس آیا تو آپ نے پھر منع فرمایا' پھر وہ تیسری بار آیا۔ تو آپ نے پھر روک دیا۔ تب آپ نے فرمایا: ''ایسی عورتوں سے شادی کرو جو زیادہ بچے جننے والی' خوب محبت

کرنے والی ہوں۔ یقیناً میں تمہاری کثرت کی وجہ سے فخر کروں گا۔" (سنن نسائی: حدیث: 3229)

خدا کا خوف کریں اور دشمنوں کے عزائم پورے کرنے کے بجائے نبی مکرم صلّی اللّٰہ علیہ وآلہ و اِصحابہ و بارک وسلّم کی پیروی کریں۔

ہمارا رزاق اللّٰہ بہتر جانتا ہے کہ کتنی آبادی کو کتنا رقبہ اور کتنا رزق درکار ہے اور وہ کیا خوب اندازہ دان ہے۔

ڈاکٹر سلطان

معذرت خواہ ہوں بھائی آپ کی سوچ سے لگتا ہے کہ آپ غلطی سے ساتویں صدی کی بجائے اکیسویں صدی میں آ گئے۔ اگر موقع ملے تو کبھی اس پر بھی غور فرمانا کہ حضورِ پُر نور صلعم نو یا گیارہ بیویاں رکھنے کے باوجود محض چند بچوں کے باپ ہی کیوں رہے؟ اب اس حقیقت کو جونہی آپ قدرت سے منسوب کرنے لگیں تو پہلے یہ سوچ لینا کہ ڈیڑھ ہزار سال پہلے اس خطہ عرب میں اوسط عمر 42 سال تھی اور علاقے میں آبادی میں کمی کے باعث وہ مشورہ دیا ہوگا جسے آپ نے بیان کیا ہے۔

دوم قرآن حکیم جو سبھی احادیث پر حکمرانی کرنے والی واحد کتاب ہے اس میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ماں بچے کو دو سال دودھ پلائے۔ صاف ظاہر ہے کہ جب تک ماں بچے کو دودھ پلاتی رہتی ہے اس کا حاملہ ہونا قریب قریب ناممکن ہوتا ہے۔ اس حکم کا بلاواسطہ تعلق بچوں کے بیچ مناسب وقفے سے ہے۔ چونکہ قرآن کتاب الحکمت (پالیسی بک) ہے اس لئے آنے والے زمانوں کے مسائل کو حکمت و دانش سے حل کرنے کا حکم دیتی ہے نہ کہ آیات قرآنی کی من مانی تشریح کرنے کا۔

اور قرآن و حدیث کے حوالوں کے استعمال سے پہلے انسانی معاملات کی درست سمجھ بوجھ بے حد ضروری ہے۔ آبادی کا بے محابہ پھیلاؤ جدید دور کا مسئلہ ہے ایسا ہی جیسے بجلی اور سپیکر کا استعمال یا انٹرنیٹ اور سیل فون کا استعمال وغیرہ۔ جب ہم یہ جدید آلات استعمال کرتے ہیں تو کیوں قرآن و حدیث کا ذکر نہیں کرتے ؟ اگر ہماری مقدس کتب جدید دور کی ایجادات کی منکر ہوتیں تو کہیں نہ کہیں اسے منع فرما دیتیں۔ اگر یہ کثرت آبادی والا مسئلہ نبیوں کے زمانوں میں بھی ہوتا تو لازماً آبادی کے پھیلاؤ بارے واضح ہدایات مل چکی ہوتیں۔ لہٰذا جو مسئلہ پیدا ہی بعد میں ہوا اس میں قرآن کریم کی حکمت کو مد نظر رکھ کر اجتہاد کرنا منع تو نہیں۔

ایک اور نکتہ بھی بے حد اہم ہے۔ قرآن و حدیث کی غالباً ساری کی ساری تشریح مردوں نے کی ہوئی ہے اس لئے لگتا ہے کہ انہوں نے اپنی لذت کو مد نظر رکھ کر ضرور ڈنڈی ماری ہے۔ پورا سوچیں کہ اگر عورتوں نے بھی مردوں کے برابر دین کی تشریح کی ہوتی تو کیا چار شادیاں، طلاق اور کثرت اولادی پر ہمارے یہی نظریات ہوتے جو آج ہیں ؟

جب آپ نے بات نہ سمجھنے کی قسم کھائی ہو تو مزید بحث وقت کا قتل ہے۔ خوش رہیں اور اٹکے رہیں ساتویں صدی میں۔

آپ کو تو سادہ ریاضی کا بھی نہیں پتا کہ اوسط کس کو کہتے ہیں۔ میں لاکھوں عربوں کی اس دور کی اوسط عمر بتا رہا ہوں اور آپ تین صحابہ کرام لے بیٹھے۔ وہ مرد عیار ہے جو اپنے چٹخاروں کے دباؤ میں رہ کر دین کی تشریح کرے۔

باقی علم سارا تو یقیناً اللہ ہی کو ہے لیکن عمل تو انسان نے کرنا ہے لہٰذا انسان بیچارہ عمل کرے کہ خوامخواہ عقل استعمال کر کے گھٹاتا پھرے۔

"رووں دل کو یا پیٹوں جگر کو میں"
کالم میٹھا سچ 807 از ڈاکٹر سلطان محمود
لاہور، 7 اپریل 2024ء

ہماری ساہیوال اور بلوچستانی گائے پر آسٹریلیا میں تحقیق ہو رہی ہے، ریکوڈک سے سونا اب بھی نکال کر باہر لیجایا جارہا، سارا تانبہ اور لوہا چین لے گیا ہے، ساٹھ برسوں سے معدنی تیل چپکے چپکے غیر ملکی کمپنیاں نکال رہی ہیں۔ سنگ مرمر اور دیگر قیمتی پتھر خام شکل میں بیرون ملک جاتے ہیں۔ اور تو اور ہمارے شمالی علاقوں کی قیمتی لکڑی تک اسمگل کر دی جاتی ہے۔ نوجوانوں کو بیکار سمجھ کر بطور مزدور خلیجی ممالک بھیج دیا جاتا ہے اور اعلیٰ دماغ خود ہی ترقی یافتہ ممالک سدھار جاتے ہیں۔

پاکستان میں 99 فیصد کھجوریں عراق اور ایران سے منگوا کر خوبصورت پیکنگ میں فروخت ہوتی ہیں۔ میں پچھلے سال تربت بلوچستان ایک بلوچ دوست کی دعوت پر گیا تھا۔ وہاں سے ایرانی تاجر تربت سے کھجوریں خرید کر ایران لے جاتے ہیں اور وہی کھجور پیک کر کے واپس پاکستان کو بیچتے ہیں۔ یاد رہے کہ پاکستان دنیا کا کھجور پیدا کرنے والا پانچواں بڑا ملک ہے مگر پاکستان کے پاس کھجور صاف اور پراسس کرنے والی ٹیکنالوجی نہیں ہے۔ جس کی وجہ سے کھجور اگر ایکسپورٹ نہ کی جائے تو وہ خراب ہو جائے۔ چونکہ پاکستان کا کاروباری طبقہ پاکستان کی مصنوعات کو فوراً بیچنا چاہتا ہے اور کچھ عوام بھی امپورٹڈ مصنوعات کو ہی پسند کرتی ہے۔ ورنہ عوام کی ضرورت اور خواہش کے مطابق صفائی، پیکنگ، کوالٹی کنٹرول، ہر چیز پاکستان میں ہو سکتی ہے۔

اسی طرح گوادر سے ٹونا فش ایران جاتی ہے اور ڈبوں میں پیک ہو کر واپس پاکستان میں بکتی ہے۔ ایسے ہی بے شمار معدنیات پاکستان کی سرزمین میں سے نکلتی ہیں اور ہم پروسس کر کے ریفائن

کرکے نہیں بیچتے۔ اگر کسی معاملے میں ریفائن کرتے ہیں تو مصنوعات تیار نہیں کرتے، شاید صرف کپاس سے لے کر دھاگہ، کپڑے تک۔

افسوس اسی بات کا ہے کہ ہمارے وسائل دوسرے لوٹ رہے ہیں اور انہیں کے اندر ویلیو ایڈیشن کرکے ہمیں ہی کئی گنا زیادہ قیمت پر واپس بیچ رہے ہیں۔

حیران ہوں کہ روؤں دل کو یا پیٹوں جگر کو میں۔۔

"In Case We Were United"

کالم میٹھا سچ 808 از ڈاکٹر سلطان محمود

لاہور، 7 اپریل 2024ء

بالکل اسی لئے تقسیم کے وقت بھی مذہب کا چٹخ دیا گیا حالانکہ ہمارا قیام امریکی ضرورت تھی اور اسی نے یہ نعرہ ایجاد کر کے ہمیں دیا۔ 1958ء تک ملک براہ راست شہنشاہ برطانیہ کی چھتری تلے رہا پھر اسی ڈھکوسلے کو برقرار رکھنے کے لئے قرارداد مقاصد لائی گئی اور اس میں مذہب کا چورن رکھ دیا گیا۔ پھر کانے جرنیل نے بھی سارے مفاد پرست ملاں اپنے ساتھ الفی لگا کر جوڑ لئے۔ امریکہ نے یہ سب کچھ اپنے لئے کرایا کہ جب بھی کسی ملک سے لڑانا ہو گا تو عوام اسے جہاد سمجھے گی اور اشرافیہ کو اللہ کا اوتار سمجھ کے جھکی رہے گی۔ اسی نے ان دونوں طبقات کے اکابرین کو استنجے میں ٹوائلٹ پیپر کے لئے بھی ڈالر ہی مہیا کئے۔ لہٰذا اب بھی دس فیصد طبقہ امریکی چھتری تانے نوے فیصد پر حکومت کر رہا ہے۔ ایوب و بھٹو سمیت سبھی حکمران امریکی ٹکسال میں ہی ڈھل کر چھائے رہے۔ اب پاکستانی عوام چاہنے کے باوجود نہ آزادی حاصل کر سکتی ہے اور نہ غربت سے جان بچا سکتی ہے۔

Naveed Hussain

I believe everyone will argue me and against my thoughts. The partition was a curse for this continent for which Quaid-e-Azam was a culprit.

DSM

May be you evolved this inference under the trance of 60 years failures but imagine if we would be united then conceptualize thousand times more miseries as that of today. Quaid-e-Azam was very honest person but observe him under the imagery of his profession, he was simply a successful attorney hired for the creation of Pakistan.

Naveed

Sir, the survival of this entire subcontinent existed in unity being Hindu, Muslim and Sikh and all others. The geography will be soon changing as china is taking over the control and in this regime pakistan is the weakest candidate to defend. our survival was hidden in collaboration with india.

DSM

Probably you are unaware of Muslim's problems, difficulties and the cultural barriers in India. Kindly review them thoroughly and you will come to the conclusion that it was immense blessing for us to draw a line of border. I'm a doctor enjoying full social status in this separated country and so you received ample chance of education to fetch a job. Otherwise we both could be a fourth schedule

servants of Hindus and cleaning their garbage by this time, rather could be murdered by some ethnic Hindu far earlier by now.

Naveed

Sir , still we Muslim have problems with each other in this country also. I dont argue your experience,education and expertise as you are far more educated and experienced person and unconditionally agree with your opinions.

DSM

Love you my friend but I have argued after well felt differences of our both nations by working in 17 countries with Hindus, twice travelling to India and observing the social status of my real uncle and aunt who were at very good employment ranks in Delhi and Agra. But still I'll not force you to accept only my experience.

As regards social and political problems within a country they prevail in every society. Do you know how Irish are behaved by English and English by Scottish in UK? They face similar problems as that between PMLN and PTI.

Naveed

Agreed sir but what I feel for indo-Pak that hatred was created by then politicians on will of British to divide and rule.

"حسن کی تعریف"
کالم میٹھا سچ 809 از ڈاکٹر سلطان محمود
لاہور، 9 اپریل 2024ء

حسن کی کوئی جامع تعریف نہیں۔ بس جو حسین لگ گیا وہ perceptionپر ہوتا ہے۔ لگ گیا۔ اصل حسن دیکھنے والے کی آنکھ میں ہوتا ہے جس کا دارومدار اس کی
اور یہ پرسیپشن چھ عوامل کا مجموعہ ہے یعنی دیکھنے والے کی پہلی بارہ سالہ پرورش کا ماحول، اس کے اساتذہ (یا معاشرے) کی تربیت، اس کی ذاتی پسند ناپسند، ہارمونز کے اثرات، عقیدہ اور میڈیا۔ لہٰذا ایسا کبھی ہوا ہی نہیں کہ کسی بھی عورت یا مرد کو حسن کا یونیورسل مقام ملا ہو۔
عارفہ صبح
استغفار کسی آئی سپیشلسٹ سے ملاقات فرمایئے۔
ڈیانا اور بے نظیر کو میں نے بہت قریب سے دیکھا ہے۔ ڈیانا تو بے مثال تھی لیکن حق یہ ہے کہ بینظیر بھی حقیقت میں بہت پیاری تھیں۔
ڈاکٹر
آپ کے مشورے پر ضرور عمل کرتا مگر کیا کروں میں دنیا کی بہت سی قوموں میں بہت سارا اصل حسن دیکھ چکا ہوں اس لئے شاید معیار ہی بدل گیا ہے میرا۔ آئی سپیشلسٹ تو بہت مل جائیں گے کاش کبھی معیار سپیشلسٹ مل جائے تو ضرور مشورہ کروں گا۔
ثمر
حرص نہ رکھیں بھیا آپ۔ حسن پرست بنیں حریص نہ بنیں تو آپکو سمجھ لگ جائیگی میرے بھیا۔

ڈاکٹر

حرص اب کہاں بھیا؟ کسی بھی چیز کی بہتات اپنی قدر کھو دیتی ہے۔ یہی معاملہ حسن کا بھی ہے۔

ثمر

تاپئیو گے تے منہ جلے گا پائین زیادہ کھاؤ گے تے صاف ظاہر اے فیر بیزاری تے ہوئے گی ہنڑ عمر نوں دوش نہ دیئو۔

ڈاکٹر

سوری بھیا میں سمجھا آپ حسن کی ستائش کے دلدادہ ہیں لیکن آپ تو حسن کو استعمال کرنے والے لگ رہے ہیں۔ دل آزاری پر معذرت۔

ثمر

بہت اچھے میں نے جو لکھا میں اسکا ذمہ دار ہوں جو آپ نے سمجھا اسکا ذمہ دور میں تو نہیں ۔لیڈی ڈیانا۔ بی بی بینظیر۔ حدیقہ کیانی۔ ان سے میرا کیا لینا دینا میرے بھائی میں استعمال و ستعمال کا کوئی چکر نہیں۔ میں آپکو یہ بتانے کی کوشش کر رہا تھا کہ جب انسان ہر کسی کو حسین سمجھنے لگ جائے تو یہی ہوتا ہے جو آپ کیساتھ ہے۔

ڈاکٹر

شکریہ آپ کا آخری فقرہ بالکل میرے حسب حال ہے۔ میں ہر کسی کو ہی حسین سمجھتا ہوں۔ کوئی کم صورت نہیں قدرت کے کارخانے میں۔

"اکتایا ہوا مسافر"
کالم میٹھا سچ 810 از ڈاکٹر سلطان محمود
لاہور، 10 اپریل 2024ء

کسی کی وال پر پاک ٹی ہاؤس کی تاریخی داستان بڑی محبت سے پڑھی اور وقتاً فوقتاً یہاں اپنے دوستوں کو فرمائش پر لے جانے کے کئی قصے یاد آ گئے۔ بہت سی محافل یاد آئیں اور کچھ ایسے نامی گرامی شعراء و ادباء کو دور و نزدیک سے دیکھنے کا موقع ملا جو اب ادبی تاریخ کا حصہ ہیں۔ فیض صاحب، احمد ندیم قاسمی، قتیل شفائی، شورش کاشمیری، امجد اسلام امجد، احسان دانش، مرزا منور، اشفاق بابا، بانو قدسیہ، الطاف حسین قریشی، لطیف ساحل، ساغر صدیقی (شاید)، منیر نیازی، انور مسعود اور ناصر زیدی کے علاوہ ذہن پر زور دینے سے کئی اور نام بھی یاد آ سکتے ہیں نیز کئی ایسے چہرے اور نام باہم متشکل نہیں ہو پا رہے جن کے قریب بیٹھ کر بھی تصویر نہ لینے کا افسوس رہے گا۔

ساٹھ کی دہائی کا بچپن اور ستر کی دہائی والی نوخیز جوانی میں گرمیوں کی چھٹیاں لاہور میں گزرتیں تو ایسی ہی تاریخی جگہوں پر جانے کو جی چاہتا۔ نانا مرحوم کی رہائش کراچی کلاتھ مارکیٹ بیرون دہلی دروازے ہونے کی وجہ سے دو ایک تانگے بدل کر اور کافی سارا پیدل چل کر شہر گھومنا میرے آوارہ گرد مزاج کا حصہ تھا اور سچ کہوں تو میں نے ہی والدین کو مجبور کیا کہ بہت بڑے پنڈ فیصل آباد کو چھوڑ کر دوبارہ لاہور جا بستے ہیں۔ یہ 1981ء میں میری گریجویشن کے بعد واقعی ممکن بھی ہو گیا اور پھر سسرال بھی یہیں مل گیا لیکن اس سے اہم واقعہ یہ ہوا کہ شباب چوک سمن آباد کے قریب جناب احمد ندیم قاسمی صاحب کے پڑوس نیز ادب و فلم نگری کے جھرمٹ میں

رہنے کے لئے وہی بچپن والے رنگین زمانے لوٹ آئے یعنی " پہنچی وہیں پہ خاک جہاں کا خمیر تھا" کے مصداق اب تو دفن ہونے کے لیے پنجاب سوسائٹی فیز ون کے قبرستان کا انتخاب سوچ رکھا ہے لیکن برج قوس والے پاؤں کی بلیاں ایک سو ستاون شہروں کی خاک چھنوانے کے بعد نجانے اب کہاں لے جائیں؟

آج عید الفطر کے روز دبئی، وارسا، نیویارک، ٹورنٹو، استنبول سمیت بہت سے ان شہروں کے دوستوں کی مبارکبادوں کے ساتھ ساتھ کہیں کہیں سے دوبارہ ملنے کی خواہش کے اظہار سے باغیانہ طبیعت مچل مچل رہی ہے کہ پھر دنیا کے سفر پر نکلوں۔ لیکن دل میں غمگیں سے نغمے کا ایک شعر گھوم رہا ہے کہ

اے نظارو نہ ہنسو اب نہ مل سکوں گا تم سے۔۔۔

جو مجھے پھر سے بلا لے وہ اشارہ نہ رہا۔۔۔

بس منیر نیازی پر حیرت رہے گی کہ مجھے جانتے نہ تھے سوائے نیویارک کی میزبانی کے لیکن یہ شعر کیسے میرے بارے میں کہہ گئے۔

عادت ہی بنالی ہے تم نے تو منیر اپنی۔۔۔

جس شہر میں بھی رہنا اکتائے ہوئے رہنا۔۔۔

"سائنس اور مذاہب"
کالم میٹھا سچ 811 از ڈاکٹر سلطان محمود
لاہور، 14 اپریل 2024ء

اگلے روز چند مفکرین کے درمیان مباحثہ اس خبر پر تبصرے کی وجہ سے چھڑ گیا کہ انسانی ڈھانچوں کی قدیم فاسلز انسان کے لاکھوں سالوں سے موجودگی کا پتا دے رہی ہیں جبکہ مذاہب کہتے ہیں کہ اللہ یا گاڈ نے ہدایت حضرت آدم کے ذریعے ہی پہلی بار بھیجی جن کا زمانہ سوا چھ ہزار سال سے زیادہ پرانا نہیں۔ تو اگر ہدایت کا سلسلہ انسانوں کے لئے ہی تھا تو چھ ہزار سال سے پہلے والے انسان کیا بن ہدایت ہی چھوڑ دیئے گئے تھے؟
سائنس کا تذکرہ بھی چلتا رہا اور ان دیکھے خدا سے ڈرنے والے مفکرین یہ کہنے لگ گئے کہ سائنس آہستہ آہستہ خدا کی ہی کہی ہوئی باتوں کو ثابت کرتی چلی جا رہی ہے اور انہوں نے جو امثال دیں ان میں مذاہب میں بگ بین کا خصوصی ذکر کیا گیا۔ نیز بلیک ہول، سمندر کے پانیوں کا آپس میں نہ ملنا، ماں کی پیٹ میں پرورش پاتے نطفے کے مدارج حیات، سورج اور دیگر ستاروں کی گردش وغیرہ کے دلائل قرآن کریم سے پیش کئے گئے۔ نیز ڈارون کے نظریات بھی بحث کا محور رہے۔
ہمیں یاد ہے کہ لائلپور کا مولوی کلہاڑا (افتخار الحسن) ساٹھ کی دھائی میں دعوے سے کہا کرتا تھا کہ سائنس بکواس کرتی ہے۔
مذاہب اور سائنس پر بحث بہت پرانی ہے لیکن آج کی محفل میں ایک صاحب کے فرمان کے مطابق دلائل کے ساتھ یہ ثابت کرنے کی کوشش کی گئی کہ مذاہب انسان کے ایمان پر شکوک پر پابندی لگاتے ہیں لہٰذا ایمان کی حدود مکمل طور پر طے کر کے خدا کی توحید کے حکم کے ساتھ بنا بنایا فلسفہ انسان کو دے دیتے ہیں لیکن سائنس میں شک اور عقل کو ہی سب سے پہلے بنیاد بنا دیا جاتا

ہے لہٰذا مذاہب اور سائنس دو مختلف سوچیں اور جنسیات بن جاتی ہیں۔ جن کا قدم قدم پر ٹکراؤ رہتا ہے۔ محفل کے بقول چونکہ سائنس مسلسل عقل اور منطق کو بنیاد بنا کر آگے بڑھ رہی ہے اور ابھی اپنے زمانہ عروج پر بھی نہیں پہنچی لہٰذا جونہی یہ اپنے ایام شیر خوارگی سے آگے نکلے گی تمام مذاہب اور عقائد غائب ہو جائیں گے بلکہ اپنے بھرپور جوانی کے ایام میں تو خود سائنس ایک عقیدہ بن جائے گی۔

اسی محفل میں سائنس کی روشن گاڑی اور اندھے عقائد یا بالفاظ دیگر مذاہب والی اندھیری سرنگ کی مثال بھی دی گئی یعنی گاڑی میں بیٹھا شخص اندھیری سرنگ کی طوالت سے ناآشنا ہونے کے باعث پہاڑ سے باہر کی ان دیکھی دنیا کے اندیشوں اور وسوسوں کے باعث کسی اندیکھی ہستی کو مانتا چلا جاتا ہے لیکن جوں جوں سائنس کی گاڑی سرنگ کو روشن کرتے ہوئے آگے بڑھتی چلی جاتی ہے اس کا خوف بھی کم ہوتا چلا جاتا ہے اور اسے اپنے علم پر اعتماد لیکن عقائد پر شکوک پیدا ہو جاتے ہیں۔ لہٰذا ایک وقت ایسا بھی آ جاتا ہے کہ وہ اپنی بے خبری والی کیفیت سے باہر نکل کر تمام خود ساختہ اندیشوں کو مسترد کر دیتا ہے۔ اس وقت سائنس کی روشنی تمام اندیشے مٹا دیتی ہے۔

ایسے ہی جیسے محض آدھی صدی پیشتر لاہور کا رہنے والا انسان سرخ آندھی، زلزلے اور بارش کے برسنے کی جو تاویل پیش کرتا تھا وہ آج کیوں نہیں کرتا؟ صرف اس لئے کہ وہ اب سائنس کے باعث عقائد کی اندھیری سرنگ سے باہر آ چکا ہے۔ یہ ہمارے اپنے مشاہدے میں آنے والی حقیقت ہے کہ بارکھان یا بواٹہ بلوچستان کے پہاڑوں کی چوٹی پر بسنے والے لوگ آج بھی وہی عقائد رکھتے ہیں جو ڈھڈی والا فیصل آباد کے لوگ پچھلی صدی کے وسط میں رکھتے تھے یعنی جب ان کے پاس سائنس کی کتاب نہیں تھی اور کے نزدیک سرخ آندھی کا سبب ناحق قتل ہوتا تھا۔

مذاہب کے خلاف ایک اور مضبوط مثال یہ دی گئی کہ چند طالع آزما ملاؤں، پنڈتوں، کاہنوں اور مہاتماؤں نے فرضی خدا کے نام کہانیاں جوڑ کر اور مخلوق کو ڈرا دھمکا کر اپنی مذہبی دوکان سجا رکھی

ہے اور آسمانی کتب کے من پسند تراجم سے انسانوں کو مسلسل دھوکے میں رکھ کر مذہبی مینیجر بنے بیٹھے ہیں اور جہاں آج بھی پیر ہی لڑکا دیتا ہے اور حافظ صاحب ہی لڑکی کے جن نکالتے ہیں۔
بن تیاری کے اس مباحثے میں شامل پانچ مفکرین کے بیچ کئی دلچسپ مشابہات تھیں اول تو سبھی بے حد تعلیم یافتہ، مذاہب اور سائنس کے رموز سے مکمل آگاہ اور اپنے اپنے مختلف پس منظر کے باوجود زبان و بیان اور سوچ بچار میں بلیغ و عمیق اور گہرے تھے اور دوم بیرونی دنیا کی تہذیبوں سے بھی کماحقہ واقفیت رکھتے تھے۔ دو تجربہ کار فلسفی مختلف پس منظر کے باوجود مکمل آگناسٹک (وجود خدا کے انکار و اقرار کے بیچ) نظر آ رہے تھے، دو ادھیڑ عمری کے باعث ابھی گومگو کی کیفیت میں تھے مگر لگتا تھا کہ وہ ابھی اپنے عقائد پر سیر حاصل تحقیق سے کچھ دور ہیں گو کہ وہ سائنس کی روشنی سے انکاری بھی نہیں تھے لیکن ابھی اپنے مذہبی عقائد کی مکمل حقیقت سے آگاہ بھی نہیں تھے۔ اس محفل کے پانچویں نوجوان کی مکمل خاموشی سے یہ نتیجہ
نکالا جا سکتا تھا کہ انہیں اس مباحثے کو ہضم کرنے کے لئے مزید دلائل کی ضرورت تھی لیکن ان کے البتہ ایک جملے کہ "سائنس نے انسان کی ڈیڑھ سو سال تک کی عمر کا راز پا لیا ہے"
نے ان کے ذہن کی عکاسی کر دی کہ وہ بھی سائنس کی صداقت کے قائل ہیں۔
وقتی طور پر حاصل بحث یہی تھا کہ مذاہب نے خدا کے تصور کو جیسے پیش کیا ہے ممکن ہے وہ آئن سٹائن کے دماغ کے سوا گیارہ فیصد استعمال کی بجائے انبیاء و مصلحین کے دماغ کے سو فیصد استعمال کی وجہ سے ہوا ہو کہ جہاں انسان خدا کے تصور سے قریب ترین اس مقام پر پہنچ جاتا ہے کہ جہاں اجسام مادے کی تعریف سے اوپر نکل جاتے ہیں اور وقت و خلا (ٹائم اینڈ سپیس) والے تصور سے مادہ جب روشنی سے دگنی رفتار پکڑتا ہے تو توانائی میں تبدیل ہو کر سیکنڈز میں زمین و آسمان کے کئی چکر لگا آتا ہے۔ یہی کانسیپٹ 2014ء میں پیش کی جانے والی فرنچ سائنس فکشن "لوسی" کا

بھی مطمع نظر تھا اور یہی معراج کے واقعے کے ساتھ بلیک ہولز کی بھی تصدیق کے لئے شاید کافی ہو۔

کی جاناں میں کون۔۔۔۔او بلھیا کی جاناں میں کون؟

"متنازعہ طریقہ علاج"
کالم میٹھا سچ 812 از ڈاکٹر سلطان محمود
لاہور، 16 اپریل 2024ء

عبدالسلام
ہومیوپیتھی طریقہ علاج پر تنازعہ کیوں؟
ہومیوپیتھی طریقہ علاج میں دو بنیادی مسائل ہیں جن کی وجہ سے یہ ایک متنازع موضوع بن جاتا ہے۔
اول یہ ہے کہ ہومیوپیتھی کو وضع کرنے والے یا اس کی حمایت کرنے والے ایسا کوئی ٹیسٹ نہیں ڈیزائن کر پائے جس سے اس طریقہ علاج پر بھروسہ ہو سکے۔ اس کے بالمقابل جدید طب جسے ایلوپیتھی کہا جاتا ہے اس میں ڈبل بلائنڈ ٹیسٹ ہوتا ہے۔
دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ جدید طب ہر دوا کی وضاحت کرتا ہے کہ اس میں موجود کیمیکل کس طرح ہمارے جسم پر اثر انداز ہو کر کیسے علاج کرتے ہیں اور کسی حد تک جانچ کے ذریعے ہونے کی اثرات کی تصدیق کی جا سکتی ہے۔ ہومیوپیتھی ایسی کسی وضاحت سے نابلد ہے۔ ہومیوپیتھی میں دواؤں کی جو وضاحت کی جاتی ہے تو غیر منطقی اور ٹیسٹ ایبل نہیں ہے۔ اس لئے یہ معاملہ کافی متنازعہ ہو جاتا ہے۔
ڈاکٹر
آپ نے دونوں باتیں درست لکھی ہیں لیکن بنیادی نکتہ نظر انداز ہو گیا ہے۔ ہومیوپیتھی کی ڈگری ہی وقت کے تقاضوں کے مطابق نہیں ہے نیز اس کے امتحانات اور سند جاری کرنے کے مدارج بھی مشکوک ہیں، جعلی ڈگری کی خرید و فروخت بھی ایک قابل غور معاملہ ہے۔ یہ اور بات ہے کہ

دنیا بھر میں اس طریق علاج کو ایلوپیتھی اپنی میڈیکل سائنسی تحقیقات کے معیار کے بل پر کھا گئی ہے۔ ہومیوپیتھی کے ساتھ ایک اور سانحہ بھی جڑا ہوا ہے کہ عوام میں یہ خیال جڑ پکڑ چکا ہے کہ اس طریق علاج کی دوا کے اگر نقصان دہ اثرات نہیں ہوتے تو فائدہ مند بھی نہیں ہوتے۔ پاکستان میں یہ اس لئے بھی موثر نہیں کہ اس کی لوکل بنی ادویات کا کوئی قومی یا بین الاقوامی پیمانہ یا تو موجود نہیں یا اس پر درست عملدرآمد نہیں کیا جاتا۔ مزید برآں اس پیتھی میں سرجری کے بارے میں لاعلمی بھی عوام میں اعتماد نہیں بٹھا سکی۔ انہی سبھی حقائق کی بنیاد پر ہومیوپیتھی کے مطب اجڑے نظر آتے ہیں۔

ہومیوپیتھی کی ایسی صورتحال سے ملتی جلتی صورت حکمت یعنی دیسی ویونانی طریقہ علاج کی بھی ہے۔ ان دونوں طریق علاج میں جو چند مریض نظر آتے ہیں وہ ملک میں غربت کے غماز ہیں ورنہ ذرا سا بھی خرچہ برداشت کر سکنے والے ایلوپیتھی ہی کی جانب جاتے ہیں۔ مذکورہ دونوں پیتھیز اپنا کاروبار بڑھانے کے لئے دواؤں میں سٹیرائیڈز کا بے تحاشہ استعمال بھی کرنے لگ گئی ہیں جو انسانی صحت کی بربادی کا باعث بن رہا ہے۔

میں چونکہ غذا و غذائیت کے شعبہ میں ایک عرصے تک پریکٹس کر چکا ہوں نیز اپنے مضمون میں تینوں پیتھیز کے طلباء کو نیوٹریشن پڑھاتا بھی رہا ہوں اس لئے ایک مکمل غیر جانبداری سے میرے مصدقہ تجربات یہی ہیں۔

"ردی والا"
کالم میٹھا سچ 813 از ڈاکٹر سلطان محمود
لاہور، 16 اپریل 2024ء

ایک دوست نے کتب بینی کے گھٹتے رواج پر افسوس سے طنزاً فرمایا ہے کہ ردی والے شخص سے بڑھ کر ادب پسند اور ادب شناس اور کون ہوگا؟ وہ ایک ایک دروازے پہ صدا لگاتا ہے، اور ہمارے بزرگوں کی الماریوں سے سارا ادب اکٹھا کر کے لے جاتا ہے۔

ویسے بھی جب کچھ درویش اپنی ذاتی لائبریریاں بنا کر بیٹھ جاتے ہیں تو ان کی کتابیں اکثر کیڑے ہی تو کھا جاتے ہیں یا مرنے کے بعد ردی والے لے جاتے ہیں۔ ان کی اس "کتابی ذخیرہ اندوزی" کا انہیں ذاتی طور پر ایک محدود سا فائدہ ہی پہنچ پاتا ہے لیکن عام طالب علم کی پہنچ سے یہ کتب دور ہو جانے کے باعث یہ درویش ادب چور بن کر رہ جاتے ہیں۔

شیریں سخن

اگر لوگ اپنی ذاتی لائبریری نہ بنائیں تو بھی یہ کتب ایک عام آدمی تک کہاں پہنچ پاتی ہیں۔۔انکی قیمت ہی اتنی ہوتی ہے کہ عام آدمی سوچتا ہے کہ ان پیسوں سے اپنے بچے کو کاپی یا کتاب لے دے

اپنی لائبریری بنانے کی اک خواہش دل میں، میں نے بھی دبا رکھی ہے۔ پر جب بھی کوئی کتاب خریدنے کی باری آتی ھے تو بچوں کی کوئی نہ کوئی ضرورت نکل آتی ہے

ڈاکٹر

شیریں سخن محترمہ اس کا حل بہت آسان ہے۔ ہماری اکثریت کتاب پڑھنے کے بعد اسے کسی دوسرے تک پہنچانے کی بجائے یوں الماریوں میں چھپا لیتی ہے جیسے یہ ڈالروں کے انڈے دیں گی۔ اس کے پیچھے ان کی اچھائی تقسیم نہ کرنے کی خود غرضانہ فطرت کے علاوہ یہ دزدیدہ فطری بھی ہوتی ہے کہ ان کتابوں سے نکال نکال کر جو انہوں نے دوسروں سے علمی گفتگو کرنی ہے یا سوشل میڈیا پر اپنی دھاک بٹھائی ہے وہ کہیں آشکار نہ ہو جائے۔ ایک ذاتی کتاب کو چھپانے کی سزا امت کی جہالت کے برابر ہے اور پوری قوم کو قتل کرنے کے مساوی ہے۔ وجہ صاف ظاہر ہے کہ شاید کسی غریب کی اولاد ہی کا بھلا ہو جائے اور وہ ہمارے چھپائی گئی کتاب سے سیکھ کر روزگار نہ بھی بنا سکے تو کم سے کم اپنے موجودہ علم میں تو بہتری لا سکتا ہے۔ ہم زیادہ تر ان کتابوں پر پتھلہ مار کے بیٹھے رہتے ہیں جن کے چند صفحات سے آگے ہم پڑھ نہیں سکتے اور سوچتے ہیں کہ پھر وقت ملے گا تو پڑھیں ھے۔ جو کہ ننانوے فیصد حالات میں نہیں ملتا۔

مغرب کیوں ہم سے آگے ہے اور اسی سے سیکھ کر میں نے دس ہزار سے شاید زیادہ کتب مختلف لائبریریز کو مفت دے دی ہیں کیونکہ مغربی لوگ ہر وقت کتاب پڑھتے رہنے کی عادت کے پیش نظر پہلا کام تو یہ کرتے ہیں کہ پوری کتاب پڑھتے ہیں اور دوم اسے کسی لائبریری کو دے آتے ہیں تاکہ اس کتاب پر دوسروں کی بھی دسترس رہے۔ یہ کتب ان کروڑوں کتب کے علاوہ ہوتی ہیں جنہیں کتب خانے اپنے خطیر فنڈ سے خود خریدتے ہیں۔

"کیا مرغبانی خطرناک ہے؟"
کالم میٹھا سچ 814 از ڈاکٹر سلطان محمود
لاہور، 16 اپریل 2024ء

Intensive poultry farming: A review of the impact on the environment and human health.

Abstract
Poultry farming is one of the most efficient animal husbandry methods and it provides nutritional security to a significant number of the world population. Using modern intensive farming techniques, global production has reached 133.4 mil. t in 2020, with a steady growth each year. Such intensive growth methods however lead to a significant environmental footprint. Waste materials such as poultry litter and manure can pose a serious threat to environmental and human health, and need to be managed properly. Poultry production and waste by-products are linked to NH3, N2O and CH4 emissions, and have an impact on global greenhouse gas emissions, as well as animal and human health. Litter and manure can contain pesticide residues,

microorganisms, pathogens, pharmaceuticals (antibiotics), hormones, metals, macronutrients (at improper ratios) and other pollutants which can lead to air, soil and water contamination as well as formation of antimicrobial/multidrug resistant strains of pathogens. Dust emitted from intensive poultry production operations contains feather and skin fragments, faeces, feed particles, microorganisms and other pollutants, which can adversely impact poultry health as well as the health of farm workers and nearby inhabitants. Fastidious odours are another problem that can have an adverse impact on health and quality of life of workers and surrounding population. This study discusses the current knowledge on the impact of intensive poultry farming on environmental and human health, as well as taking a look at solutions for a sustainable future.

Highlights

- Intensive poultry farming has a significant environmental footprint.
- Chemical/microbiological contamination of air/water/soil unless properly managed

- It impacts the health of workers, neighboring population and consumers.
- Antibiotics and antimicrobial resistance of particular interest to wider society
- Reduced antibiotic use, slower growth cycles, emission control key to future outlook

What is the risks of chicken in human health?
Chicken products contain cholesterol, carcinogens, and contaminants. Cholesterol, carcinogens, pathogens, and even feces found in chicken products increase the risk of heart disease, breast and prostate cancers, urinary tract infections, and foodborne illness.

The hormones used in broiler chickens are regulated for safety, but consuming them excessively may potentially contribute to hormonal imbalances. It's important to maintain a balanced diet and consider consuming a variety of protein sources. If you have concerns about hormonal balance, consulting a healthcare professional is advisable.

"The hormones used in broiler chickens are regulated for safety, but consuming them excessively may potentially contribute to hormonal imbalances. It's important to maintain a balanced diet and consider consuming a variety of protein sources. If you have concerns about hormonal balance, consulting a healthcare professional is advisable.

"ہوس نے ٹکڑے ٹکڑے کر دیا ہے"
کالم میٹھا سچ 815 از ڈاکٹر سلطان محمود
لاہور، 16 اپریل 2024ء

یہ کلپ چار چھ برس پہلے بھی میری نظر سے گزرا تھا لہٰذا دوبارہ تبصرہ لکھ دیتا ہوں۔
میرے تجربے کے مطابق امریکن اسٹائل کے داستان گو اپنے آپ کو الگ رکھ کر اپنی پراڈکٹ کی مارکیٹنگ کرتے ہیں۔ یہ صاحب بھی تبلیغی جماعت کی مارکیٹنگ کر رہے ہیں۔ ثبوت یہ ہے کہ انہوں نے اپنے آپ کو پہلے مخالف ظاہر کیا اور اس طرح تبلیغی جماعت کے مخالفین کو نکیل ڈالنے کی بھرپور کوشش کی۔ صاف ظاہر ہے کہ یہ بھی اسی جماعت کے رکن ہیں لہٰذا اپنی جماعت کی مضبوطی اور بڑھوتری کے طور پر اپنے تقوے کو مومنین کے درجے کا ثابت کر کے بھولی بھالی عوام کو معجزات کا اسیر بنا رہے ہیں۔ کیونکہ معجزات کمزور ایمان والوں کی عقل کو خیرہ کرنے کے لئے سنائے یا دکھائے جاتے ہیں۔
اس جماعت کے لوگوں کا طویل سفر نیک کام ہی تصور ہوتا ہو گا لیکن دو نکات ذرا غور طلب ہیں۔ اول احادیث مبارکہ پر عمل نہ کرنا سمجھ سے بالاتر ہے یعنی اپنے گھر کے مسائل کے حل کے لئے نبی آخر الزماں صلعم کے فرمان کو پس پشت ڈالنا کہاں کا ایمان ہے؟ دوم پہلے اپنا اور اپنے قریب کے مسلمانوں کا ایمان قرآن کریم کے مطابق بنانا افضل ہے بجائے کہ دور دراز کے غیر مسلموں کو مسلمان کرتے پھرنا۔
غیر مسلموں نے مسلم جمیعت کو توڑنے اور تتر بتر کر کے اپنی جو مذموم اتھارٹی قائم کرنا تھی اس میں ان کے برصغیر کے اقدامات میں سے چند اقدامات بہت کامیاب ہوئے ہیں۔ مثال کے طور پر تبلیغی جماعت کو یہ مشن دیا گیا کہ عام مسلمان کو دنیا سے بیزار کر دو تا کہ مسلمان جہاد کے لئے

کبھی طاقت نہ پکڑ سکیں۔ دوسرے نمبر پر بریلی اور دیوبند میں فرقہ وارانہ مدرسے قائم کروا کر مسلمانوں کے اتحاد کو پارہ پارہ کر دیا گیا۔ تیسرا اقدم مسلمانوں کے اندر سے قادیانیت کو پیدا کیا گیا اور یہودی آج بھی ان کی کھلم کھلا حمایت میں کھڑے نظر آتے ہیں۔ چہارم برصغیر کے مسلمانوں کو قرآن کریم کا دین سکھا کر مجاہد پیدا کرنے کی بجائے صوفیا گھڑے گئے اور سادہ لوح مسلمانوں کو ایمانی موشگافیوں میں ڈال کر آپس کے اتحاد کو پارہ پارہ کر دیا گیا۔ پنجم اگر پھر بھی کچھ مسلمان برباد ہونے سے بچ گئے تو انہیں سیاسی جماعتوں میں قید کر دیا گیا۔ حیرت کی بات یہ ہے کہ ہر اختلافی گروہ کے اکابرین جید علماء میں سے ہی چنے گئے۔

مزے کی بات یہ ہے کہ شیعہ سنی وہابی سمیت ہر فرقہ اپنے ہونے کی دلیل قرآن کریم سے ہی لا رہا ہے جس کا صاف مطلب ہے کہ اصل کلام ربی کے تراجم میں بھی اغیار کا ہاتھ ہے۔ اگر میری بات کا یقین نہ آئے تو آج جہاد کا اعلان کر دی جائے کہ حکومتی سطح پر ہوتا ہے اور اس کے صفر فیصد بھی امکانات نہیں، پر اس کے باوجود برصغیر کے فرقہ پرست مسلمان ایک قدم آگے بڑھاتے نظر نہیں آئیں گے۔

رب تعالیٰ آج کے مسلمان کو دوبارہ عقل سلیم عنایت فرمائے جو ایمانی نور سے خالی ہو چکے ہیں اور پورے کرہ ارض پر ذلت کا شکار ہیں۔ آمین۔

"ڈگری ڈگری ہے اصلی ہو یا نقلی"
کالم میٹھا سچ 816 از ڈاکٹر سلطان محمود
لاہور، 18 اپریل 2024ء

اللہ کا حکم ہے کہ کسی کا پردہ فاش نہ کرو۔ ہم نے اس حکم سے ڈر کر اسے پورا کرنے کی بہت کوشش کی ہے لیکن اس کا نتیجہ دو نمبر ڈگری ہولڈرز کی اس دیدہ دلیری کی صورت ایسے نکلا ہے کہ اب وہ علی الاعلان ہمیں ہی اپنے مسروقہ علم کا شکار کرنا چاہ رہے ہیں۔ ہم چپ رہیں تو جعلی ڈگری والے لوگ خوش ہو جاتے ہیں کہ شاید یہ بھی دھوکا کھا گیا ہے ہماری ڈگری سے۔ اور اگر میٹھا سچ اگل دیں تو گالیوں پر اتر آتے ہیں اور پھر ہمیں انفرینڈ کر دیتے ہیں۔

چوبیس برس پیشتر ہمارے ساتھ امریکہ پدھارنے والے ساتھی جاوید صائم نے اچانک ڈاکٹر لکھنا شروع کر دیا پوچھنے پر معلوم ہوا کہ امریکہ کے کسی ایک فلیٹ پر مشتمل یونیورسٹی نے سوڈالر لے کر انہیں جعلی پی ایچ ڈی کی ڈگری ای میل کر دی جسے انہوں نے اندھے پاکستانیوں کو دھوکہ دینے کے لئے رنگین پرنٹ نکال کر دفتر میں سجا لیا لیکن درحقیقت ان کے پاس اصلی سند صرف میٹرک کی ہی ہے جس پر انہوں نے پینتیس سال جیں بنک کی کلرکی میں گزار کر اب بے خبر عوام کی نفسیاتی تربیت شروع کر رکھی ہے تبھی لفظ ڈایابٹیز اب بھی ان کی زبان پر نہیں چڑھتا اور اسے ڈایابیٹی کہتے چلے جاتے ہیں۔

ایسے ہی ایک نیوٹریشن کے خود ساختہ ڈاکٹر عظمت بھی ہماری دوستی سے نکل بھاگے جب مجھے ہم نے انکی ڈگری بارے پوچھ لیا غلطی سے۔ لاہور کی نور یونیورسٹی نے انہیں دو جعلی ڈگریاں ثابت ہونے پر نکال باہر کر دیا تھا کیونکہ انہوں نے میکسیکو کی جس یونیورسٹی کی ڈگریاں دکھار کھی تھیں وہ ڈیپارٹمنٹ ہی اس یونیورسٹی میں موجود نہیں تھا۔ ویسے تھا وہ پراعتماد اور موٹے موٹے گاہک

آسانی سے پھنسالیتا تھا یہاں تک کہ وی لاگر عمران ریاض نے بھی اس کا انٹرویو کر مارا جس سے اسے درجنوں امیر ترین گاہک مل گئے ہوں گے۔

ایک بار نیسپاک سے ہمیں طعنہ ملا کہ آپ اپنی اصل ڈگریوں پر نہ اترائیں اور دوسروں کی ڈگریاں جعلی ثابت نہ کرتے پھریں کیونکہ ہم نے وہاں بھی واٹر ریسورسز ڈویژن سے "ڈاکٹر" ہما پکڑی تھی جس نے دس روزہ سری لنکن دورے کے آٹھ سو ڈالر ادا کر کے پی ایچ ڈی خرید رکھی تھی۔ بیچاری کسی اصلی ایم بی بی ایس کی بیٹی تھی۔ ہما کو بھی نیسپاک سے نکال دیا گیا تھا۔

اب لکھنے بیٹھا ہوں تو ذہن کے دریچے کھلتے جا رہے ہیں۔ ایک صاحب ابھی دوستی سے بھاگے نہیں لیکن یہ تحریر پڑھتے ہی انشاء اللہ بھاگ جائیں گے۔ نام اس لئے نہیں لکھ رہا کہ ان کے مرید کہیں مایوسی سے نہ مر جائیں کیونکہ وہ ایک بہت بڑے فیملی فزیشن کے طور پر اب بھی پریکٹس کر رہے ہیں۔ موصوف نہ صرف خود بھی سری لنکا کے جعلی ڈاکٹر ہیں بلکہ انہوں نے پانچ پانچ سو ڈالر کی ڈیڑھ دو درجن ڈگریاں اسلام کے نام پر بیچ رکھی ہیں۔ انہی میں سے ہمارے ایک مرحوم دوست جو میرا بڑا ادب کیا کرتے تھے اور جو بیک وقت ایلوپیتھی، ہومیوپیتھی، طب یونانی اور نیوٹریشن کے بھی پریکٹیشنر تھے۔ ایک بار اپنے "علمی بوچھاڑ" والے سیمینار میں مجھے بلا کر ایک بڑے اعزاز سے بھی نواز دیا تاکہ میں اس رشوت کو وصول کر کے چپ رہوں اور میں واقعی چپ رہا کیونکہ ان دنوں ایک اور مرحوم کیمیکل انجینئر دوست نے مجھے سمجھایا کہ اگر اللہ کسی کے راز افشا نہیں کرتا تو تم کیوں کرتے ہو؟ موصوف انجینئر کو بھی اپنے والد کے اچانک مرنے سے دو چلتے چلاتے کلینک مل گئے تھے لہٰذا وہ انہوں نے انجینئرنگ سے ایلوپیتھک اور ہومیوپیتھک ڈاکٹر بننے میں ذرا دیر نہ لگائی۔ بڑے قیمتی علاقوں میں ان کے دونوں کلینک البتہ ان کی زندگی ہی میں بند ہو گئے تھے۔ مرحوم ہماری بڑی عزت کرتے تھے اور فیض گھر میں منعقد ہونے والے غذاو

غذائیت پر ہمارے 65 لیکچرز میں سے اکثر میں شریک ہو کر ہمیں ہمیشہ اخلاقی مار مارا کرتے تھے۔

اور ابھی کل کی بات ہے ہمارے حلقہ ماحولیات میں ایک دوست جو اپنے نام کے ساتھ ڈاکٹر لگایا کرتے تھے ایک روز ہمارے سوال کا نشانہ بن گئے تو اندر سے شاید جل کر خاک ہو گئے ہوں لیکن البتہ ہمارا اتنا مشورہ ضرور مان گئے کہ تریپن سال کی عمر میں جھٹ سے لاہور کے ایک ایسے ادارے میں پی ایچ ڈی کرنے لگ گئے جنہوں نے پاکستانی قوانین تو پورے کر رکھے ہیں لیکن ان کی ڈگری پاکستان کے علاوہ دنیا میں کہیں بھی نہیں مانی جاتی۔ ان کا نام بھی اس لئے نہیں لکھ رہے کہ وہ بروقت سری لنکن پی ایچ ڈی سے جان چھڑا کر اب ببانگ دہل اس میدان میں اترے ہیں جہاں گدھا گھوڑا ایک برابر ہیں۔

تفصیل تو کافی لمبی ہے لیکن ہمیں جان کا ڈر بھی ہے کیونکہ پاکستان میں جو جتنا دو نمبر ہے اتنا ہی طاقتور بھی ہے۔

"انٹرنیٹ کی پیداوار"
کالم میٹھا سچ 817 از ڈاکٹر سلطان محمود
لاہور، 21 اپریل 2024ء

اس پوسٹ میں لف کیا گیا ایک پیغام کسی انٹرنیٹ سے شدید متاثرہ نوجوان نے یوں پیش کیا ہے کہ بچے کے پیدا ہوتے ہی اس کا ایک ای میل اکاؤنٹ بنا کر اس میں اس کی تصویریں، نوٹس، اس کے متعلقہ کہانیاں، تعلیمی ریکارڈز و دیگر کارکردگی ڈالتے جائیں اور جونہی بچہ اٹھارہ برس کا ہو تو اسے اس اکاؤنٹ کا پاس ورڈ تحفے میں دے کر اسے حیران کر دیں۔ بظاہر ایک اچھوتا "انٹرنیٹوی" خیال ہے اور قابل عمل بھی ہے لیکن اس کے متوقع اثرات مثبت کے ساتھ ساتھ منفی بھی نکل سکتے ہیں۔

ظاہر ہے کہ جب ہم بچے کے پیدا ہوتے ہی اس کے ای میل اکاؤنٹ میں اس سے متعلق حقائق ڈالتے چلے جائیں گے تو اسے اٹھارہ سال کی عمر تک پہنچتے پہنچتے اپنی زندگی کی دلچسپی کی بیشمار یادیں مل جائیں گی جن میں اس کی ہر سٹیج کی تصاویر، وڈیو کلپس شامل ہوں گے نیز اس کے سکول کی کارکردگی وغیرہ وغیرہ۔ ایسا کل مواد جمع کرتے کرتے پھر یقیناً ہم بچوں کو اپنے ان احسانات کے ثبوت بھی دیں گے جو اٹھارہ برس تک ہم نے ان پر کئے ہوں گے۔ اگر ایسا ہی ہوا تو گویا کہ ہم نے اپنے فرائض کو قربانی کی شکل دے کر ان پر احسانات جتائے۔ اگر بچوں کو کل کلاں یہ احساس ہو گیا کہ والدین نے اپنی دی گئی قربانیوں کا پورا اکاؤنٹ بنا رکھا ہے تو وہ بھی کیلکولیشن میں پڑ سکتے ہیں۔ اگر انہوں نے بھی اکاؤنٹ بنا کر اپنی تابعداری یا ہماری ممکنہ زیادتیوں کا حساب درج کرنا شروع کر دیا تو پھر وہ حق بجانب ہوں گے کہ بڑھاپے میں ہمارے احسانات کو بھی ایسے ہی اکاؤنٹ کی شکل دے کر ہمیں اولڈ ہوم میں بے سہارا چھوڑ آئیں۔

سرمایہ داری نظام میں ہر آنے والا زمانہ پچھلے زمانوں سے زیادہ مادہ پرستی لے کر آتا ہے اس لئے ہمارے پیدا کردہ ایسے انٹرنیٹوی بچوں نے بھی قرآن کریم کے حکم کہ "والدین پر احسان کرو" کو "والدین سے حساب کرو میں بدل دیا تو کیا ہو گا؟ ایسے ہی کسی خیال کو مد نظر رکھتے ہوئے شاید " علامہ نے فرمایا ہو گا کہ

ہے دل کے لئے موت مشینوں کی حکومت۔۔۔
!!احساس مروت کو کچل دیتے ہیں آلات۔۔۔

"اعلان شکست"
کالم میٹھا سچ 818 از ڈاکٹر سلطان محمود 907
لاہور، 20 اپریل 2024ء

ای کیپ پر کڑی نظر رکھنے والے ایک صاحب نے ہمارے آئندہ اجلاس پر ہمیں معذرت کے ساتھ پوچھا ہے کہ آپ نے متحرک اور غیر متحرک اراکین کی تقسیم کیوں کر رکھی ہے؟ ہم نے مندرجہ ذیل تفصیل گوش گزار کی ہے:
سر ہم نے ای کیپ 2017ء میں شعبہ ماحولیات میں متحرک قریباً سات پریکٹیسنگ کمپنیوں کے تعاون سے بنائی اور پہلے دو سال خوب جذبے سے چلائی بھی۔ اگلی دو سالہ کیبنٹ نے ذرا سستی اور بے حسی سے چلائی مگر پھر کووڈ نے تقریباً ہم سب کو غیر متحرک کر دیا۔
میں شروع دن سے اس کی کیبنٹ میں رہا ہوں اس لئے خود کو بری الزمہ قرار نہیں دیتا لیکن اسے متحرک رکھنے میں پھر جب سرخ فیتے کو زور پکڑتے دیکھا تو میرے اختلافات شروع ہو گئے اور بہت سے فاؤنڈر اراکین بھی بد ظن ہو کر دائیں بائیں ہو گئے۔ اور بالآخر پچھلے ماہ ناجائز قابضین نے اعلان شکست کا ایسے اعلان کر دیا کی حکومتی طرز پر ایک یکطرفہ کمیٹی تشکیل دے دی گئی جو کہ سو فیصد غیر فعال اراکین پر نہ صرف مشتمل تھی بلکہ ثبوت کے طور پر ابھی تک عضو معطل ہے۔ میرے حساب سے یہ اعلان شکست ہی تھا کیونکہ سابق معزز اراکین کابینہ نے پیشہ ورانہ طریقے سے یہ مسئلہ حل کرنے کی بجائے اپنی اور ہماری سات سالہ جہد و جہد پر پانی پھیر کے رکھ دیا ہے۔

میں پہلے سے ایسی تین پیشہ ورانہ ایسوسی ایشنز کا ایگزیکٹو رکن ہوں جو الحمد للہ گزشتہ 44، 37 اور 33 برس سے اونچ نیچ کے باوجود اپنی زمہ داریاں احسن طریقے سے نباہتی چلی آ رہی ہیں اس جیسی اہم اور مستقبل کی ضرورت والی تنظیم کی عدم ہونے سے قبل لئے ای کیپ فعالیت میری برداشت سے باہر تھی۔ اس لئے اسے phase off مکمل ECAP

بچانے کی فکر میں پڑا ہوا ہوں اور اب کافی مشکل سے سابقہ پینتیس چالیس کے مقابل 167 پروفیشنلز کے تعاون سے دوبارہ ہمت کر رہا ہوں نیز چند پرانے ساتھیوں کو بھی اس میں شامل کیا ہوا ہے۔

سب معمول ہمارے موجودہ اراکین بھی سبھی متحرک نہیں لیکن یہ ایک برس میں ہمارا تسلسل سے پانچواں پروگرام ہے جس کا دعوت نامہ اس گروپ میں شیئر کیا گیا ہے۔ اگر آپ بھی کوالیفائیڈ ماحولیاتی پریکٹیشنر ہیں اور جدید دنیا کے ماحولیاتی شعور اور کارپوریٹ سیکٹر میں مروج مستقبل کی کنجی (انوائرنمنٹ، سوشل، گورننس) ای سی جی اتفاق کرتے ہیں تو آپ کو بھی ہمارے کل والے اجلاس میں خوش آمدید کہا جاتا ہے۔ ویسے بائی دی وے ہم سب کے محترم سر آصف شجاع صاحب بھی ہمارے ساتھ تھے اور ابھی حال ہی میں نامعلوم وجوہات کی بناء پر گروپ چھوڑ گئے ہیں۔

"ہمارا بے مقصد نظام تعلیم"
کالم میٹھا سچ 819 از ڈاکٹر سلطان محمود
لاہور، 22 اپریل 2024ء

یہ سب تعلیم کو 1974ء میں قومیا لینے والے بھٹو کے جرم عظیم کے شاخسانے ہیں۔ اب اگر ہم مل جل کر بھٹو کو بد دعائیں بھی دیں تو فرق نہیں پڑنے والا۔
عمران نے آدھی صدی بعد اس تعلیمی نظام کو بدلنے کے لئے مشترکہ نصاب والا معاملہ اٹھایا ہی تھا کی نوکر شاہی نے دبا دیا۔ اگر یہ ابتدائی نوعیت کا ضروری مسئلہ حل ہو جاتا تو اگلے اقدامات انقلاب لا سکتے تھے۔ مگر بقول امریکی مصنفین امریکہ نے کبھی پاکستان جو ترقی نہیں کرنے دینی ورنہ امریکہ چین، ایران، بھارت اور افغانستان سے مکمل ہاتھ دھو بیٹھے گا۔
تعلیم کے علاوہ بھٹو نے صنعتیں بھی قومیالیں اور آج ہم دونوں محاذوں کی گراونڈ زیرو پر کھڑے ہیں۔
جس "پاکستان 1948 سے 1958" میں نے تئیس برس قبل امریکہ میں ایک کتاب پڑھی تھی میں گیارہ سو امریکی سرکاری دستاویزات و میڈیا بیانات کے حوالوں سے ثابت کیا گیا تھا کہ امریکہ نے پاکستان کو ایشیا میں اپنے عالمی مقاصد کے حصول کے لئے ہندوستان سے الگ کیا اور ہمیں مضبوط فوج دیکر اپنا سارا ایجنڈا اس کے سپرد کر دیا اور گہری نظر والے جانتے ہیں کہ آج تک یہی کچھ چل رہا ہے۔
علاوہ ازیں سابق بھارتی وزیر خارجہ جسونت سنگھ کی قایدآعظم بارے کتاب بھی جب پڑھی تو پھر 2012ء میں سوشل میڈیا پر مطالعہ پاکستان پر تین حرف بھیجنے والا غالباً میں پہلا شخص تھا۔

ہماری قوم کو چونکہ انگریزی آتی نہیں اس لئے اس پر کلام نرم و نازک بے اثر ہی رہے گا اور ہم دنیا کے باقی 82 فیصد علم سے بھی بے بہرہ رہیں گے۔ میری تحریر میں جو سیاسی ٹچ آیا ہے وہ وہ ذاتی پسند ناپسند نہیں بلکہ میرے پینتیس سالوں میں سترہ ممالک میں کھلی آنکھوں سے گھومنے کے سبب ملک کے مافیاز کو پہچان لینے کی وجہ سے ہے۔

"مسلمان مسلمان سے محبت نہیں کرتا"
کالم میٹھا سچ 820 از ڈاکٹر سلطان محمود
"لاہور، 22 اپریل 2024ء

برطانوی صحافی اور سیاسی تجزیہ نگار ڈگلس مرے اگلے دن یہ کہہ رہا تھا کہ مسلمان ہمیں ڈبل سٹینڈرڈز کا طعنہ دیتے ہیں میں کہتا ہوں کہ وہ اپنا منہ بند رکھیں کیونکہ وہ خود بے حد منافق لوگ ہیں۔
اس ضمن میں اس نے چند مثالیں پیش کیں مثلاً وہ کہتا ہے کہ پچھلے بارہ برس میں بشار الاسد کی حکومت نے شام میں لاکھوں مسلمانوں کو قتل کر دیا سڈنی، ملبورن یا لندن کی سڑکوں پر کوئی مسلمان سڑک پر نہیں آیا۔ پھر ہم نے دیکھا کہ یمن کی خانہ جنگی میں لاکھوں مسلمانوں کو مار دیا گیا ملبورن سمیت کہیں بھی کسی مسلمان کا کوئی مظاہرہ دیکھنے کو نہیں ملا۔
مزید کہتا ہے کہ مسلمان کسی دوسرے مسلمان سے قطعاً محبت نہیں کرتا۔ اور بالکل ایسے ہی مسلمان فلسطینیوں سے بھی محبت نہیں کرتے۔ اگر محبت کرتے ہوتے تو اردن فلسطینیوں کو دریائے اردن کے مغربی کنارے پر کیوں دھکیل دیتا۔ اور مصر انہیں اپنی سرحدوں سے پرے غزہ تک کیوں محدود رکھتا؟ درحقیقت اردن اور مصر یہودیوں کی زمینی حقائق کی بنیاد پر حمایت کرتے ہیں کیونکہ باقی اسرائیلی علاقے میں یہودی رہتے ہیں اور یہودی جیت بھی رہے ہیں۔
دراصل ایک خدا پر یقین رکھنے والے دونوں مذاہب کے درمیان قدیم ترین مذہبی منافرت ہے۔

پھر وہ پاکستانیوں کی بے حسی کی بات کر رہا ہے کہ پاکستان نے بیس لاکھ مسلمانوں کو افغانستان میں دھکیل رکھا ہے۔ یہ درست ہے کہ پاکستانی سیاستدان ہمارے اتحادی ہیں لیکن پاکستانی سیاستدانوں کو سوچ کر تنقید کرنی چاہئے کیونکہ مسلمان خود مسلمان کا دشمن ہے، وغیرہ وغیرہ۔
اس صحافی کی گفتگو سے ہمیں ضیاء الحق سے امریکہ کی حمایت میں ساٹھ کی دھائی میں اردن میں تعیناتی کے دوران ان ہزاروں فلسطینیوں کے قتل والا کارنامہ بھی یاد آگیا ہے جس میں اس نے اس وقت تک اسرائیل کی جانب سے مارے جانے والے فلسطینیوں سے بھی زیادہ فلسطینی مارے تھے۔
اور یہ حقیقت اپنی جگہ ہے کہ عثمانی خلیفہ نے 1911ء میں اپنی معزولی تک مسجد اقصیٰ کے اطراف میں یہودیوں پر زمین نہ خریدنے کی پابندی عائد کر رکھی تھی۔ جسے ازاں بعد مسلمانوں نے خود توڑا اور یوں زیادہ رقم کے لالچ میں اسرائیل کے قائم ہونے میں مدد فراہم کی۔
نیز یہ اور بھی تلخ حقیقت ہے کہ عراق، شام، لبنان میں مسلمانوں کے اپنے ہی دو فرقے آپس باہم برسرپیکار ہیں اور ایک دوسرے کو قتل کرنا ثواب سمجھتے ہیں۔

"حجامہ اور جدید سائنس"
کالم میٹھا سچ 821 از ڈاکٹر سلطان محمود
لاہور، 24 اپریل 2024ء

حجامہ، جسے کپنگ تھراپی بھی کہا جاتا ہے، ایک قدیم مشق ہے جس میں سکشن بنانے کے لیے جلد پر کپ رکھنا شامل ہے۔ اگرچہ کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ حجامہ سے صحت کے فوائد ہو سکتے ہیں، لیکن یہ نوٹ کرنا ضروری ہے کہ میڈیکل سائنس کمیونٹی عالمی سطح پر حجامہ کو معیاری طبّی علاج کے طور پر تجویز یا اس کی تائید نہیں کرتی ہے۔
مطالعات سے پتہ چلتا ہے کہ کپنگ تھراپی سے کچھ شرائط کے لئے ممکنہ فوائد ہو سکتے ہیں، جیسے درد اور سوزش کو کم کرنا، خون کے بہاؤ کو بہتر بنانا، اور آرام کو فروغ دینا۔ تاہم، ثبوت حتمی نہیں ہیں، اور حجامہ کے اثرات اور حفاظت کو مکمل طور پر سمجھنے کے لیے مزید تحقیق کی ضرورت ہے۔
حجامہ سمیت کسی بھی متبادل علاج پر غور کرنے سے پہلے، یہ مشورہ دیا جاتا ہے کہ کسی مستند صحت کی دیکھ بھال فراہم کرنے والے سے مشورہ کریں۔ وہ ممکنہ خطرات اور فوائد کو سمجھنے میں آپ کی مدد کر سکتے ہیں، ساتھ ہی ساتھ کپنگ تھراپی آپ کے مجموعی صحت کی دیکھ بھال کے منصوبے میں کیسے فٹ ہو سکتی ہے یا نہیں بھی۔ ثبوت پر مبنی طبّی علاج کو ترجیح دینا اور احتیاط اور تنقیدی سوچ کے ساتھ متبادل علاج سے رجوع کرنا ضروری ہے۔
میڈیکل سائنس حجامہ کو نہیں مانتی کیونکہ اس پر مناسب سائنسی انداز میں تحقیق نہیں ہوئی۔ حجامہ کے نام نہاد فوائد میں اکثر خون صاف رکھنے، خون کی روانی، دردوں اور سوجن میں افاقے کا تذکرہ کیا جاتا ہے جس کے لئے جدید میڈیکل سائنس میں بہت کچھ ہے۔

چند اسلام فروش حجامہ کو سنت کہہ کر پروموٹ کرتے ہیں تاکہ جاہل عوام کے ہاتھوں شاید اسلام زیادہ روپوں میں بک جائے جیسا کہ عام سے شہد کو اسلامی شہد کہہ کر بیچنا، ناپ تول میں ہیرا پھیری کے باوجود دوکان کا نام مدینہ سٹور رکھ لینا، وغیرہ وغیرہ۔ رہی بات سنت نبوی کی تو حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تو سال بھر اکثر روزے سے بھی ہوتے تھے جس سے حجامہ کے ان تمام جسمانی صحت والے فوائد کے علاوہ روحانی فوائد بھی حاصل ہو جاتے ہیں تو پھر دین فروش روزہ کیوں پروموٹ نہیں کرتے؟ اس لئے کہ ایسا کہہ دینے سے ان کی دکانداری نہیں چلتی۔

شاہ جی میں اگر بتاؤں کہ میں کونسی سائنس پڑھا ہوا ہوں تو شاید آپکے پاس غیر محتاط الفاظ استعمال کرنے کی ہمت ہی نہیں ہے۔ بہر حال میں آپ سے نہیں پوچھوں گا کہ آپ کونسی سائنس پڑھے ہوئے ہیں کیونکہ وہ آپکی دی گئی مثالوں سے واضح ہے۔

اولمپک میں تیراکوں کی آپ نے جو مثال دی ہے وہ چند تیراکوں کا ذاتی فیصلہ ہوتا ہے نہ کہ درد یا زخموں کو درست کرنے کا کوئی سرکاری طریق علاج۔ جیسا کہ اولمپک کھلاڑی دنیا کے مختلف پس منظر سے ہوتے ہیں جہاں ایسا بھی ممکن ہے کہ کچھ قدیم اور غیر سائنسی طریق علاج پر یقین رکھنے والے ہوں جیسا کہ ہمارے معاشرے جیسے پس منظر والے۔ اولمپک مقابلوں کے بعد کسی کے ذاتی افعال پر اولمپک کمیٹی کی پابندیاں نہیں ہوتیں ہاں تقریباً تمام پابندیاں مقابلوں سے قبل شرائط کے طور پر لگائی جاتی ہیں۔ تو برادر ایسی مثال حجامہ کے سلسلے میں دینا سراسر غلط ہے۔

ایک اور بات آپ نے سائنس کے بارے لکھی ہے تو عرض ہے کہ ابھی سائنس شیر خوارگی کے دور سے گزر رہی ہے تو اپنا لوہا منوا رہی ہے اگر ہماری زندگی ہی میں بلوغت پکڑ گئی تو تقریباً تمام جدید و قدیم غلط فہمیاں اور ضعیف اعتقادات شوں کرکے اڑ جائیں گے۔

عبدالرحمان

جدید میڈیکل سائنس کیا کہتی ہے، یہ تو آپ کو کوئی ماہر ڈاکٹر ہی بتا سکتا ہے۔ یا اگر کسی ڈاکٹر نے اس پر کچھ تحقیق کر کے نتائج شیئر کیے ہوں، تو وہ کسی حد تک معتبر ہو سکتے ہیں۔ تاہم، کسی طریق علاج کو محض قدیم یا مختلف ہونے کی بنا پر غیر مفید یا نقصان دہ قرار دینا بھی صحیح نہیں ہوتا۔ (تعصب کے فیکٹر کو بھی ذہن میں رکھنا چاہیے۔)

مزید، ایک بات یاد رکھیے کہ جدید میڈیکل سائنس میں بھی 'سب کچھ' حتمی نہیں ہے۔ مختلف حالات، اوقات، اور آلات کی بنا پر تحقیقات کے نتائج مختلف ہو سکتے ہیں۔ کئی دفعہ ایسا سننے اور دیکھنے میں آیا ہے کہ ایک وقت میں جس چیز کو مضر صحت قرار دیا گیا ہو، نئی تحقیق سامنے آنے پر اس کے فوائد بیان کیے جا رہے ہوتے ہیں۔ یا اس کے الٹ۔۔

ڈاکٹر

عبدالرحمان محترم یہی تو میڈیکل سائنس کی خوبی ہے جسے آپ خرابی کے طور پر بیان کر رہے ہیں۔ زندہ علوم ہی متحرک اور اصلاح پسند ہوتے ہیں اور اگر ہم کسی شے کو ختمی کہہ کر مہر لگا دیں تو پھر وہ علم کی تعریف سے نکل کر عقیدے کی حدود میں داخل ہو جائے گا۔

ڈاکٹر

بائی دی وے میں نے بتیس برس قبل 1992ء میں نیوٹریشنل فزیالوجی میں پولینڈ سے پی ایچ ڈی کر کے سترہ ممالک میں ڈسٹنکشن لی تھی اور دو ماسٹرز (نیوٹریشن اور ماحولیات) پاکستان سے کیں۔ پھر عالمی فیلو شپس پر ڈنمارک، جرمنی اور امریکہ سے تین پوسٹ ڈاکٹریٹس کیں۔ چالیس برس غذا و صحت اور ماحولیاتی صحت کے شعبوں میں کام کرتا رہا ہوں اور اب ریٹائر ہو کر سوشل میڈیا پر قومی سوچ کی، اپنی سمجھ کے مطابق، درستگی پر لگا ہوا ہوں۔ چوالیس کتابوں کا مصنف ہوں بلکہ ہماری موجودہ ڈسکشن بھی اگلی کسی کتاب کا حصہ بن جائے گی۔

قیصر احمد

ہاہاہاہاہاہا۔ آپ آ گئے اصل عقیدے کی جانب جہاں ترقی کی روشنی کا گزر نہیں۔ محترم احادیث تو ہمارے لئے بھی افضل ہیں لیکن انوکھے مسلمان وہ ہیں جنہیں سائنس سے گھن آتی ہے اور وہ قرآن کریم ہی کے حکم سے روگردانی کرتے ہوئے اکیسویں صدی میں پیدا ہو کر بھی ساتویں صدی میں رہنا چاہتے ہیں اور یوں اپنے ہی دین کی بے حرمتی کر رہے ہیں۔ اگر مدہوش مسلمانوں کی ایسی بے منطق عقیدت نہ ہوتی تو یقین کریں یہود و نصاریٰ کی جرات نہ تھی کہ مسلمانوں سے سائنس میں آگے نکلتے اور سولہویں سترہویں صدی کے مسلمان سائنسدانوں کو اذیتیں دے دے کر نہ مارا جاتا۔

باقی سائنس کو کسی بھی انسان دوستی والے طریق علاج سے بغض نہیں۔ میں نے یہی عرض کی تھی کہ حجامے پر جب تک موجودہ سائنس کی تسلی کی حد تک تحقیق نہیں ہو جاتی اسے کہیں بھی تسلیم نہیں کیا جائے گا۔

"ٹھنڈ، حسن اور کافی"

کالم میٹھا سچ 822 از ڈاکٹر سلطان محمود

لاہور، 26 اپریل 2024ء

مجھے کافی کی لت 1989ء میں برلن جرمنی میں کئی کئی روز رہنے کی وجہ سے لگی کیونکہ تب وہاں چائے نہیں ملا کرتی تھی۔ دیوار برلن گرائے جانے سے قبل ایک بار وارسا سے مشرقی برلن ٹرین سے اترا تو صبح کے ساڑھے سات بجے بند کافی ہاوس کھولنے کی تیاری میں اس کے سامنے ایک مٹیار صفائی کرتی پائی گئی۔ میں نے انگریزی میں سٹور کھلنے کا وقت پوچھا تو اس نے لاپرواہی سے "آخت" یعنی آٹھ بجے کہا اور صفائی میں مشغول ہو گئی۔ سردی زور کی تھی اور سٹیشن میں جان تب پڑتی تھی جب کوئی زیر زمین ٹرین رکتی۔ میری ٹرین کا وقت پونے نو کا جل بجھ رہا تھا۔ زیر زمین سے باہر نکلنے کا یارہ نہ تھا لہٰذا میں بے خیالی میں ذرا فاصلے پر بنچ پر بیٹھ گیا اور مفلر کانوں کے گرد ٹائیٹ کر کے آنکھیں بند کر لیں۔ اچانک ایک کھنکتی ہوئی آواز سے میں نے چونک کر آنکھیں کھولیں تو وہی حور ارضی ہاتھ میں گرما گرم کافی کا ڈسپوزیبل کپ لئے کھڑی تھی اور تیز تیز جرمن زبان بولے جا رہی تھی جس میں سے مجھے "اونو" یعنی ایک کا لفظ ہی سمجھ آ سکا۔ میں نے اسے ایک مارک دیا تو وہ بھاگتی ہوئی پھر صفائی ستھرائی میں جت گئی۔

دس بجے فرائی یونیورسٹی مغربی برلن میں ٹیچر کیتھی سے میٹنگ پر وقت پر پہنچ گیا تو وہ سردی سے ہلکا ہلکا لرزتے ہوئے اپنے لئے مشین سے کافی انڈیل رہی تھی۔ میرے لئے اس نے مشین میں ایک مارک ڈال کر کافی سے مگ بھر دیا۔ مجھے یاد ہے کہ یہ میری زندگی کا دوسرا کافی کا کپ تھا اور وہ بھی ایک ڈیڑھ گھنٹے کے بیچوں بیچ۔ پھر سہ پہر تین بجے میں نے ہوسٹل میں بیگ پھینکا اور اپنا زینتھ کیمرہ اٹھا کر مغربی برلن کی چکاچوند اور تیز زندگی دیکھنے اور ضبط تصویر میں لانے نکل گیا۔

دس بجے رات لوٹا تو ایک دم سے تھکن سے گہری نیند میں ڈوب گیا۔ ابھی رات کے بارہ نہیں بجے تھے کہ واش روم جانے کی حاجت سے آنکھ کھلی تو پھر نیند تو آنکھوں سے جیسے کوسوں دور تھی۔ صبح چھ بجے اونگھ آنے لگی تو میں تاخیر سے کیتھی کے پاس پہنچنے کے ڈر سے نہانے گھس گیا اور ناشتے کے لئے ویران کینٹین میں پہنچا تو موٹی افریقن بڑھیا نے آرڈر لینے کے لئے اپنا بڑا سا کان پھڑ پھڑایا اور چائے کا سن کر گھنی بھنوؤں کو حیرت سے اچکایا اور غالباً یہ کہتے ہوئے کہ یہاں چائے نہیں ملتی آملیٹ اور سوپ میری جانب لڑھکا دیا۔ چونکہ برلن وارسا سے کم و بیش بیس گنا زیادہ مہنگا تھا اس لئے میری قومی بچت کی ایشیائی فطرت آڑے آ گئی لیکن ڈیپارٹمنٹ پہنچتے ہی کیتھی نے مجھے دیکھ کر پھر کافی مشین کی جانب اشارہ کر دیا۔ میں نے رتجگے اور ایک مارک بچانے کے ملے جلے احساس سے اسے رات نیند نہ آنے کی بپتا سنائی تو کیتھی نے خوبصورت چہرے پر افسوس طاری کرتے ہوئے یہ خبر دی کہ پورے برلن یا غالباً پورے مغربی جرمنی میں ہی چائے نہیں مل سکے گی۔ خیر چھٹی کے بعد کیتھی نے مجھے وسط برلن میں واقع "بلکا سنٹر" اتار کر ایک پرانی سی برقی کیتلی تحفتاً بخشتے ہوئے یہاں سے ٹی بیگز خریدنے کی تلقین کی۔

وہ دن اور پھر آج کا دن مجھے کافی کی خوشبو سے ایسا عشق ہوا ہے کہ مجھے پاکستان کی دہکتی گرمیوں میں بھی کافی کا سنتے ہی جرمنی کی یخ صبحیں، آخت والی حور کا پیش کیا گیا پہلا کافی کا کپ اور ڈیسنٹ ٹیچر کیتھی کا ٹھٹھرتے بدن کے ساتھ کافی کا دوسرا کپ یاد آ جاتے ہیں نیز جب تک میں چائے میں آدھا چمچ کافی نہ ڈال لوں چائے کو منہ لگانے کو بھی دل نہیں مانتا۔ لاہور میں کھلنے والا "سیکنڈ کپ" ریسٹورنٹ بھی مجھے اپنی جانب کھینچتا ہے لیکن حیرت کی بات کہ مجھے یقین ہو چلا ہے کہ پاکستانیوں کو کافی بنانی ہی نہیں آتی۔ شاید کافی کی لت ہی مجھے واحد وجہ لگتی ہے کہ جس نے میرا جگر بھی بڑھا دیا ہوا ہے نیز خون میں کولیسٹرول بھی دو سو سے اوپر باندھ کر رکھی ہے۔

"دبئی میں تباہ کن بارش"
کالم میٹھا سچ 823 از ڈاکٹر سلطان محمود
لاہور، 27 اپریل 2024ء

Artificial rain is unlikely to attract thunderstorm
Artificial rains and rainstorms serve different purposes and have different mechanisms. Artificial rain or cloud seeding is a process in which substances like silver iodide or dry ice are dispersed into clouds to encourage precipitation. This process is usually done to help alleviate drought conditions or to increase precipitation for various reasons.
While artificial rain may contribute to increasing rainfall in a specific area, it is typically a localized and controlled process. It is unlikely for artificial rain alone to cause a full-fledged rainstorm, which is a larger and more widespread weather phenomenon involving complex atmospheric conditions.
Rainstorms, also known as thunderstorms, are usually caused by the convection of warm air rising rapidly in the atmosphere, creating strong upward air currents and leading to the formation of

cumulonimbus clouds. These clouds can produce heavy rainfall, thunder, lightning, strong winds, and sometimes hail.

In summary, artificial rain is a targeted technique to stimulate rainfall in specific areas, while rainstorms are natural weather events that occur due to atmospheric processes on a larger scale. Artificial rain is unlikely to evolve into a full-blown rainstorm, as rainstorms involve a combination of various atmospheric factors beyond the scope of localized cloud seeding.

"جلدی میں بلدی"

کالم میٹھا سچ 824 از ڈاکٹر سلطان محمود

لاہور، 27 اپریل 2024ء

سوشیو آن کے بانی باقر بلال اور محمد اقبال دونوں بھائی ہمارے بھی اچھے دوست ہیں اور یہ ہمیں بھی اپنی ایپ کے آغاز میں فیس بک کی اس متبادل ایپ پر بریفنگ (Socio-on)

دے چکے ہیں۔ گو کہ دونوں دوست اس عظیم پیغام کو حتی الوسع بڑھاوا دے رہے ہیں لیکن ہمارے چند سوالات کو اس وقت بھی دونوں بانیوں نے قابل غور نہ سمجھا اور جذباتی سے جواب دیئے اور آج پانچ برس بعد بھی مبشر لقمان اسی سٹریٹیجک نکتے پر اڑا ہوا ہے جس سے کبھی ہو ہی نہیں سکتا کہ مغرب ہمارے ٹیلنٹ کو آگے بڑھنے دے۔ وہ تزویری نکتہ یہ ہے کہ تکنیکی مہارت سے زیادہ تجربہ کار منطقی ذہن کامیاب رہتا ہے۔ اگر ہم نے عالمی منظر نامے پر قدم ابھی رکھا نہیں لیکن ابتدا ہی میں اسرائیل کو مخفی دھمکی دے بیٹھیں کہ ہم "مسلمان" فلسطین جیسے عالمی اسلامی مسائل کا توڑ لا رہے ہیں تو اس سے مغرب بدک کر ہمیں کیا آگے آنے دے گا؟

جب دنیا سے امریکہ نے 1989ء میں سوویت یونین کا زور توڑا تو یہ سارا کام دیگر سازشوں کے ساتھ ساتھ اپنے خفیہ ایجنٹ گورباچوف کو بھی پردے کے پیچھے رکھ کر سرانجام دیا۔ اس سے دنیا بھر میں ایک اصطلاح "گوربی اپروچ" کے نام سے مشہور ہو گئی جس کا مطلب یہ تھا کہ جب تک آپ کامیاب نہ ہو جائیں اپنے سارے پتے آشکار نہ کریں۔ یہی بات ایک حدیث مبارک سے بھی واضح ہے کہ اپنے مشن کو پایہ تکمیل سے پہلے مشہور نہ کریں۔ اب اگر ہم ابتدا ہی میں جذباتی ہو کر دشمن کو جگا دیں تو ذہنی، سیاسی اور مالی طور پر کیا ہم اتنے طاقتور ہیں کہ قدم جمائے بغیر اس کا عالمی سطح پر مقابلہ بھی کر سکیں؟

گو کہ دونوں بھائیوں نے عمران تک بات پہنچا کر اچھا قدم اٹھایا تھا اور عین ممکن ہے کہ آج بھی مجھ سے وہ ہم سے اتفاق نہ کریں لیکن وہ تین ایسی فاش غلطیاں کر گئے ہیں کہ جس کی بناء پر ان کا مشن آج بھی ادھورا ہے۔ اول انہوں نے عمران سے کام لینے کا درست طریقہ استعمال نہیں کیا اور فردوس عاشق اور فواد حسین جیسے بے ایمانوں کے چنگل میں پھنس گئے۔ دوسری غلطی میڈیا سے مبشر لقمان جیسے بندے کو کرایے پر لے لیا جسے اپنے سے زیادہ عقلمند کوئی دوسرا دکھائی ہی نہیں دیتا نیز وہ خود کسی مشنری ادارے کا تنخواہ دار لگتا ہے اور تیسری شدید غلطی یہ کی کہ اپنی ایپ کو مؤثر ترقی نہ دے سکے اور اپنے ذاتی چینل پر بھی غیر موثر لوگوں کو بٹھا کر ثابت کرتے رہے کہ وہ مایوسی کے عالم میں بس اب وقت گزاری کر رہے ہیں۔ گو کہ ان کا چینل اور سوشیو آن کی ایپ دو مختلف خدمات ہیں لیکن پیچھے چونکہ "انقلابی" ذہن ایک ہی ہے اس لئے دوں اپنا درست نام اور مقام حاصل نہیں کر سکے۔

مثال کے طور پر اگر میں ان دوستوں کی ٹیم کا رکن ہوتا تو گورے کے ساتھ کام کرنے کی دہائیوں کے تجربے کے تحت یہ مشورہ دیتا کہ

(1) جلد بازی نہ کریں اور اگلے دس سال لو پروفائل میں رہ کر اپنی بنیادیں مضبوط کریں۔

(2) آہستہ آہستہ حلقہ اثر اور کاروبار بڑھانے کے لئے سٹریٹیجک پلاننگ کریں۔

(3) ابھی اسلام یا ہر اس ایجنڈے کو خفیہ رکھیں جنہیں ہم نے کامیابی کی صورت میں اپنانا تھا۔

(4) ابھی بین الاقوامی اداروں سے فنڈز حاصل کر کے اپنے آپ کو فیس بک کے مقابلے کے لئے تیار کریں اور

(5) میڈیا سے بہترین اور مستعد دماغوں کو اپنے ہی رول پہ لائیں۔

شاید کہ تیرے دل میں اتر جائے میری بات۔۔۔۔

"بری حکمرانی"
کالم میٹھا سچ 825 از ڈاکٹر سلطان محمود
لاہور، 30 اپریل 2024ء

کوئی بتائے گا کہ بمپر فصل ہونے کے باوجود فصل آنے سے پہلے پہلے 36 لاکھ ٹن گندم کیوں درآمد کی گئی؟ اور عالم یہ ہے کہ حکومت کی مقرر کردہ 3900 روپے من والی گندم 3400 میں لوگ اٹھانے کو تیار نہیں۔ اور اوپر سے ظلم کہ حالیہ بارشوں سے گندم گیلی ہونے کے باعث حکومت کسان کو گندم گوداموں میں نہیں رکھنے دے رہی۔ اور موسم ہے کہ کسان کو تباہ کرنے پر تلا ہوا ہے۔ یہ ہوتی ہے تجربہ کار ٹیم کی ڈکیتی۔ اب اگر افغانستان کے رستے وسط ایشیا کی ریاستوں میں بھی گندم سمگل نہ ہو سکی تو سمجھیں ٹھک گیا کسان یعنی بلا سوچے سمجھے بمپر فصل پر بغلیں بجانے والوں کے پاس اب خوشی کا کون سا اخلاقی جواز باقی رہ گیا ہے؟

"سوشل میڈیا کا المیہ"
کالم میٹھا سچ 826 از ڈاکٹر سلطان محمود
لاہور، 30 اپریل 2024ء

ہمارے ایک دوست نما بھائی نے یہ کلپ لگایا ہے جس میں منگلہ ڈیم بارے بے پر کی اڑائے گئے خیالات بتائے گئے ہیں۔ میں نے درستگی کی نیت سے عرض کی کے بھائی آپ کو تو معلوم ہے کہ میرا ٹرشری مضمون ماحولیات ہے جبکہ پرائمری اور سیکنڈری مضامین افزائش حیوانات اور غذا و صحت ہیں۔ ماحولیات اور نیوٹریشن پر تو میری الگ الگ کمپنیاں آج بھی چل رہی ہیں اور جن میں سے ماحولیات پر میں نے بیس برس قبل پرائیویٹ لمیٹڈ کمپنی بنا کر لگ بھگ کل چار سو سے زائد ترقیاتی منصوبوں کا ماحولیاتی مطالعہ بھی کیا ہوا ہے اور ان میں آزاد کشمیر و گلگت بلتستان کے علاوہ ملک کے چاروں صوبوں میں بشمول نیلم جہلم، داسو، بھاشا، تونسہ بیراج اور خوشدل خان بند 23 ہائیڈرو پاور منصوبوں میں سے اکثریت کے سوشیو اکنامک و ماحولیاتی مطالعے میں ٹیم لیڈر بھی رہا ہوں۔ بلکہ پچھلے سال تک 116 کلومیٹر لمبی جلالپور نہر کی کھدائی والی انجنئیرنگ ٹیم میں ماحولیات کا انچارج بھی رہا ہوں۔

اپنے بارے بتانے کا صرف مقصد یہ تھا کہ آپ کی اس پوسٹ پر میری پیشہ ورانہ حس مسلسل پھڑک رہی ہے کہ بحیثیت ایک میڈیا پرسن آپ نے کیسے یقین کر لیا کہ منگلا کی تہہ میں کوئی شہر اب بھی موجود ہو سکتا ہے اور جہاں پانی اترنے کے ساتھ عمارات آج بھی نظر آتی ہیں۔

یعنی آپ کے خیال میں اللہ نے پانی کی طاقت کا جو ذکر فرمایا ہے اس پانی کی طاقت آپ نے اس قدر کم سمجھ لی ہے کہ یہ عالمی محلول ہونے کے باوجود ساٹھ برس تک اپنی تہہ میں عمارات کے نشان تک مٹانے کی بجائے عمارات بھی نہیں ہلا سکا؟

حقائق کچھ یوں ہیں کہ ایوب خان نے عالمی بنک کی مدد سے 1962ء میں پرانے میر پور شہر کے اوپر ڈیم ڈیزائن کرایا جس کی وجہ سے پورے شہر کے مکینوں کو برطانوی شہریت دے دی گئی۔ ڈیم کے بازو میں آج والا نیا میر پور بسایا گیا جہاں مکین پرانے شہر کی اینٹیں تک اکھاڑ کر لے آئے اور نئے گھر بنا لئے۔

پھر آہستہ آہستہ پورے ڈیم میں بھل یا سلٹ بھرنی شروع ہو گئی اور اس کی پانی ذخیرہ کرنے کی صلاحیت کم ہو جانے کے باعث ورلڈ بنک ہی کے تعاون سے 2009ء میں نیسپاک نے منگلہ کی دیواریں 30 فٹ اوپر کر کے منگلہ ریزنگ کا منصوبہ مکمل کیا تب تک میں بھی نیسپاک جوائن کر چکا تھا اور میرے دو باسز سلیم شیخ اور عرفان الحق منگلہ کے سابق ہیڈ بھی تھے۔ بہر حال یہ ڈیم خود پھر سے بھل وغیرہ کے باعث ناکام ہوتا نظر آ رہا ہے۔ نیز شومئی قسمت سے کالا باغ ڈیم نہ بننے کے سبب منگلہ بھی نومبر دسمبر میں ڈیڈ لیول پر آ جاتا ہے اور فروری میں دوبارہ دریائے جہلم اور ارد گرد کی ندیوں کے باعث بھرنا شروع ہوتا ہے جو کہ صرف کالا باغ ڈیم نہ ہونے کے سبب پچھلے دس بارہ سال سے پوری طرح بھر بھی نہیں سکا۔

اور چکنی مٹی جمائی گئی تاکہ یہ ڈیم کسی ممکنہ bedrocks ہر ڈیم کی طرح اس ڈیم کی تہہ میں بھی زلزلے وغیرہ سے لیک نہ ہو سکے تو پرانے شہر کی عمارات ڈیڈ لیول میں کیسے نظر آ سکتی ہیں؟ نیز ڈیڈ لیول پر آ کر بھی کبھی ڈیمز مکمل خشک نہیں ہوتے کیونکہ ہمارے بالائی علاقوں کی ندیاں سارا سال چلتی ہیں۔ لہٰذا مذکورہ کلپ پرانے شہر کے شاید اس وقت کا ہو گا جب ابھی ڈیم زیر تعمیر ہو گا (فزیکل PCR یعنی 1962ء تا 1967ء کے درمیان۔ اس زمانے میں شاید عالمی بنک نے کلچرل ریسورسز) والی آپریشنل پالیسی نہیں بنائی ہو گی ورنہ یہ ڈیم یہاں بن بھی نہ سکتا۔

البتہ صرف اتنا مانا جا سکتا ہے کی کلپ میں دکھائی گئی مذکورہ جم جانے کے باعث
عمارات نیچے ہی ابھی دبی ہوئی ہوں لیکن اب ان کے اوپر sediments
کروڑوں ٹن بھل اور
دوبارہ نمودار ہونے کے کسی بھی صورت میں امکانات نہیں ہیں۔
اسی ڈیم کی وجہ سے لاکھوں میر پوریئے مانچسٹر میں دندناتے پھر رہے ہیں اور ممکن ہے کہ انہی میں سے کسی نے یہ کلپ عالمی بنک کے آرکائیوز سے نکال کر سوشل میڈیا پر ڈال دیا ہو مگر انجنئیرنگ سے لاعلمی کے باعث مذکورہ بالا تبصرہ لکھ مارا ہو۔اب شومئی قسمت سے آپ کا کلپ دور دور تک نکل گیا ہوگا مگر میرے درج کردہ حقائق وہاں پہنچ نہیں پائیں گے اور یہی ہے سوشل میڈیا کا اصل المیہ۔

"توہین رسالت"
کالم میٹھا سچ 827 از ڈاکٹر سلطان محمود
لاہور، یکم مئی 2024ء

یہ کالم سال بھر پہلے دبئی میں اشفاق کے بارے میں لکھا گیا مگر مشترکہ گروپ میں شیئر نہیں کیا) (گیا تھا

ہماری عوام میں اس قدر مطالعے کا فقدان ہے کہ کچھ بھی لکھ دیں کسی کو کچھ فرق نہیں پڑتا۔ لہٰذا قوم کی اس عادت سے شہ پا کر آج ہم ڈرتے ڈرتے منٹو کا وہ قول دہرائیں گے کی جس میں وہ کہتا ہے کہ "عورت بچاری کی مجبوری ہے کہ وہ منافقت چھپانے کے لئے داڑھی نہیں رکھ سکتی"۔ پہلے ہم ذرا اپنا ذکر کر لیں کہ جب چوبیس برس کی عمر میں ہمارے بال ہمیں داغ مفارقت دے گئے تو ہمارے سامنے دو آپشن تھے۔ اول داڑھی چھوڑ دیں تاکہ تمسخر اڑانے والوں پر ثابت کر سکیں کہ ہمارے جسم پر بال تو بہت اگتے ہیں بس ذرا چند ھیا منتظر رہ گئی تو کیا ہوا؟ لیکن ہم نے خاصی سوچ بچار کے بعد دوسری آپشن اپنائی اور سر کا بیرونی خالی حصے پر مصنوعی بال چپکا لئے اور جیسے تیسے اعتماد حاصل کر کے زندگی بسر کر لی۔ پہلی آپشن میں تین رکاوٹیں بہت روح فرسا تھیں۔ اول یہ سنت نبوی سمجھی جائے گی لہٰذا جانے انجانے میں خلاف شریعت اقدامات سرزد ہونے سے کسی ظالم کے دل میں یہ خیال بھی آ گیا کہ ہم نے پیاری سرکار نبی آخر الزمان کی توہین رسالت کر دی ہے تو روز قیامت کیا منہ لے کر ان کے سامنے جائیں گے۔ دوم ہمیں عبادات سے خالی زندگی کا رنگ ڈھنگ بدلنا پڑے گا اس لئے اندر سے آواز آتی تھی کہ منافقت بہت بری چیز ہے جس سے اللہ بچا کر رکھے اور سوم بھرپور جوانی میں بڑھاپے کا سراپا لوگ تو شاید قبول کر لیں

لیکن ہم خود قبول نہ کر پائیں گے۔ لہٰذا توہین رسالت سے بچے رہنے کا بھاری پتھر ہم اٹھانہ پائے اور ملاں کی بجائے انگریز نظر آنے لگ گئے۔

لیکن آج ہمیں لاہور سے خبر ملی کہ ہمارے چالیس سالہ پرانے رفیق نے آدھی صدی کی رفاقت کے باوجود ہمارے تعلقات پر محض ایک ہزار روپے کو فوقیت دے کر اپنے شوروم پر ہماری گاڑی کھڑی کرنے سے صرف اس لئے انکار کر دیا ہے کیونکہ اس میں پٹرول نہیں تھا۔ ہم نے اس انتہائی چول حرکت پر یکطرفہ ذہن بنانے کی بجائے اتمام حجت کے طور پر فون کر لیا کہ مبادہ ہم سے باہمی انسانی تعلقات توڑ لینے میں کچھ زیادتی نہ ہو جائے۔ لیکن اس وقت زیادہ رنج پہنچا جب انہوں نے فون پر بھی اپنی اسی یہودی سوچ کی تکرار جاری رکھی اور الٹا ہمارے بھیجے گئے ملازم کو منافقت سے قصوروار قرار دینے کی کوشش کر ڈالی۔

موصوف بھی ہمارے ہم زلف ٹھہرے تھے اس لحاظ سے کہ ان کے بھی ادھیڑ عمری میں جب بال گرنے شروع ہوئے تو بیچارے نفسیاتی دباؤ کا شکار ہو گئے اور اپنے پسندیدہ پولیس باپ کے پرورش کنندہ دوست کی داڑھی دیکھ کر خود داڑھی چھوڑ بیٹھے اور جب داڑھی سکھوں کے انداز میں بڑھتی ہی چلی گئی تو پھر اٹھتے بیٹھتے فرمانے لگے کہ داڑھی کو قینچی نہیں لگوانی چاہئے ورنہ حضور کی شفاعت حاصل نہ ہو گی۔ یہ اسی داڑھی کی بات ہو رہی ہے جسے کل تک رگڑ کر صاف کر دیا کرتے تھے۔ خیر کب موسم بدل جائے، عقیدہ بدل جائے یا نظریہ ضرورت بدل جائے کسی دوسرے کو کیا اعتراض؟

ضروری تو نہیں کہ چالیس برس ساتھ رہنے والا ہمیں پسند ہی کرتا رہا ہو کیونکہ ہم نے کسی نفسیات دان سے سنا تھا کہ پہلے بارہ برس کی گھریلو تربیت آئندہ کی ساری زندگی پر حاوی رہتی ہے لہٰذا کسی بچے کو اگر چول بزرگ یا گھٹیا اساتذہ مل گئے ہوں تو اس بیچارے کا کیا قصور؟ بقول منٹو کے تو وہ مہاتڑ پہلے ہی منافقت چھپانے کے لئے داڑھی کا سہارا لئے بیٹھا تھا۔ بس یہ اتفاق ہی تھا کہ

اس کا حسد یا پیسے کی ہوس چالیس برس میں آشکار نہ ہو سکی اور ہم خوش فہمی میں اسے دوست ہی سمجھتے رہے۔

ہمارے ایک جرمن ٹریز نے کبھی ہمیں شدید غصے پر قابو پانے کا ایک طریقہ بتایا تھا جس پر ہم نے کامیابی سے عمل کرتے ہوئے اپنے دوست کا چول پنا چھپائے رکھا اور اس تحریر کو لکھ کر نہ انہیں بھیجی اور نہ کسی مشترکہ جاننے والے کو بھیجی اور یوں اس فیصلے کے ساتھ غصہ اتر گیا کی اب ہم کبھی انہیں نہیں ملیں گے مبادہ ہمارے منہ سے داڑھی کی شریعت بارے ایسے نامناسب الفاظ نہ نکل جائیں جو کسی بھی پہلو سے توہین رسالت کے زمرے میں آتے ہوں۔

"ہم بھی وہیں موجود تھے"
کالم میٹھا سچ 828 از ڈاکٹر سلطان محمود
لاہور، 2 مئی 2024ء

آج ورلڈ بنک بھی بول پڑا کہ پاکستان کی چوراسی سرکاری کمپنیوں نے صرف تین سال میں قومی خزانے کو ایک ہزار ارب روپے کا نقصان پہنچایا ہے۔ لیکن ہمیں یقین ہے کہ کسی کے کان پر جوں نہ تب رینگی تھی اور نہ اب رینگے گی۔ یہ تو محض تین سال کا نقصان بتایا گیا ہے جبکہ چند کاغذی کمپنیوں کو چھوڑ کر یہ پچھلے پچیس برس سے اب تک مسلسل چل رہی ہیں۔
یوں سرکاری کمپنیاں بنانا شریف برادران کے کرپٹ ذہن کی پیداوار تھی۔ قانون چونکہ موم کی ناک تھی اس لئے مشرف کے ہٹتے ہی دھڑا دھڑ اس طرح کے گھوسٹ ادارے کھمبی کی طرح آگ آئے۔ طریقہ واردات یہ تھا کہ سرکاری محکموں سے اپنے بندے خصوصاً جونیئر بیوروکریٹ اٹھا کر صاف ستھری جگہوں پر بٹھا دیئے گئے۔ بیشمار اختیار دینے کے علاوہ کئی کئی گنا زیادہ تنخواہ و مراعات پر صرف اس لئے عیاشی کرائی گئی تاکہ بادشاہ سلامت کو اس کے بیٹوں کے ٹاؤٹ مافیا جو خواب دکھائیں اس پر فوری عمل کیا جاسکے۔
ایسی ہی ایک کمپنی کا میں بھی ملازم رہا جہاں میرا بھی واسطہ کوئی درجن بھر ایسی ہی مزید کمپنیوں سے پڑا۔ ان سب کمپنیوں میں اپنے مہروں کے بورڈز آف ڈائیریکٹر بنائے گئے اور پنجاب میں تمام اختیارات چیئرمین پی اینڈ ڈی کے ذریعے شہباز شریف کے ہاتھ میں رہے۔ صرف ایک مثال لاہور ویسٹ مینجمنٹ کمپنی کی دیتا ہوں جسے درجنوں ارب روپوں کے فنڈ دیکر شاہین کمپلیکس جیسی جدید عمارت دے دی گئی لیکن میونسپل کارپوریشن جیسے اس کے اصل مدر ڈیپارٹمنٹ میں

سائل کے بیٹھنے کے لئے کرسی تک نہ تھی اور اکثر ملازمین نے اپنی کرسی کو رسی باندھ رکھی ہوتی تھی مبادہ کوئی دوسرا نہ لے جائے۔

اگر یہ فنڈز اصل محکمے کو دیکر ملازمین کی مناسب تربیت نیز حکام کی ایمانداری کو رواج دیا جاتا تو میں شرطیہ کہتا ہوں کہ نہ ملک پر قرضے چڑھتے اور نہ ہی شریف خاندان یوں بیرون ملک جائیدادیں بنا سکتا اور نہ اندرون ملک مضبوط ہو کر بار بار حکومت بنا پاتا۔

"چوراہے کا بھکاری"
کالم میٹھا سچ 829 از ڈاکٹر سلطان محمود
لاہور، 3 مئی 2024ء

دنیا کے اعلیٰ ترین معاشی فورم پر شہباز شریف نے کل ایک انتہائی احمقانہ تقریر کی ہے جس میں ورلڈ اکنامک فورم؛ اس نے بغیر پرچی کے انگریزی کے شوق میں ایسی ایسی بونگیاں ماری ہیں کہ انہیں سن کر کوئی پاگل ہی ہوگا جو پاکستان میں اپنا سرمایہ لے کر آئے گا۔ سبحان اللہ فارم 47 نے ہمیں ایک ایسا خوبصورت تحفہ دیا ہے جس سے لگتا ہے کہ بھارتی وزیراعظم پاکستان کی کمزوریاں بیان کر رہا ہے تاکہ عالمی سرمایہ کاروں کو پاکستان جانے سے روکا جاسکے۔ اگر آزادانہ تجزیہ کریں تو ہمارا وزیراعظم اپنے ہی ملک کا چھپا ہوا دشمن لگے گا۔ سنئیے کیا کہہ رہا ہے ہمارا وزیراعظم عالمی سرمایہ کاروں سے :

میں آپ کو پوری ایمانداری سے کہہ رہا ہوں کہ ہمارا پاور سیکٹر پوری طرح تباہ ہو چکا ہے کیونکہ ہمارے ملک جتنی بجلی چوری دنیا میں کہیں اور نہیں ہوتی ہو گی۔ ہمارے ملک میں اشرافیہ کا راج ہے اور عام شخص کی شنوائی کہیں نہیں۔ ہم پورا ٹیکس بھی اکٹھا نہیں کر سکتے جبکہ ہمارے اخراجات محصولات سے چار گنا زیادہ ہیں۔ ہم عالمی سرمایہ کاروں کی مدد کے بغیر معاشی بحران سے باہر نہیں نکل سکتے۔ نیز ہمارے اوپر قرضے ایک طرح کی سزائے موت کے برابر ہیں۔

ہمارے خیال میں سڑکوں چوراہوں پر بھیک مانگنے والے کو بھی علم ہوتا ہے کہ کس حیثیت کے بندے سے کیا مانگنا ہے۔ ورلڈ اکنامک فورم پر دنیا کے سمجھدار سیاستدان سرمایہ کاروں کو اپنی خوبیاں بتا کر سرمایہ حاصل کرنے کی جانب متوجہ کرتے ہیں جبکہ اس نیم پاگل شخص کو اتنا بھی شعور نہیں کہ وہ کسی چوراہے کا بھکاری نہیں جہاں ایسے رونے رو کر لوگوں کی ہمدردیاں حاصل کی جاتی ہیں بلکہ ایک ایٹمی طاقت کا سربراہ ہے۔

"تاریخ اسلام سے لاعلمی"
کالم میٹھا سچ 830 از ڈاکٹر سلطان محمود
لاہور، 3 مئی 2024ء

ہمارے لنگوٹیے دوست فرماتے ہیں کہ عشق رسول بریلوی سے، عشق اہل بیت اہل تشیع سے، عشق حدیث و سنت اہل حدیث لوگوں اور میانہ روی دیوبندی حضرات سے سیکھی جا سکتی ہے۔ ہمیں یہ پڑھ کر حیرت ہوئی تو عرض کیا کہ حضور ان سارے عشقیہ قصوں کی تہہ میں جائیں تو وہاں انگریز سے ملاقات ہو جائے گی۔

ایک نئے قاری درمیان میں ٹپک پڑے اور پوچھتے ہیں کہ اگر ملاقات انبیاء کرام سے کرنی ہو تو کیا طریقہ کار ہو گا؟ جس پر ہم نے عرض کیا کہ محترم قرآن کریم کو ڈوب کر سمجھ لیں اور با عمل ہو جائیں مگر یہاں بھی گورے کا پھینکا گیا مال کھا کر ترجمہ کرنے والوں سے ہوشیار رہنا ہو گا۔

اس پر بھولے بھالے مسلمان بھائی سادگی سے پوچھتے ہیں کہ تو پھر کیا کریں مسلمان قران کا ترجمہ کہاں سے لیں۔ ہم نے مشورہ دیا ہے کہ دنیوی علوم کے ساتھ قرآن کی عربی خود سمجھنے پر وقت لگائیں تو خود بخود خالص اسلام برآمد کر لیں گے۔

مگر ہمارے لنگوٹیے دوست بھی کمال کے سادہ مسلمان ہیں فرماتے ہیں کہ جب شیعہ گروہ وجود میں آیا تھا، اس وقت انگریز کہاں تھے سعودی عرب میں جناب۔ یہ سوال سن کر ہم نے آج کے پڑھے لکھے انسان کی تاریخ اسلام سے لاعلمی پر ایک دلدوز چیخ ماری اور عالم وجد میں گڑگڑائے کہ میرے پیارے بھائی جان انجینئر صاحب تاریخ اسلام کی انجنیئرنگ بھی پڑھیں اور گورے کے جد امجد یہودی کو اگر آپ نے تلاش کر لیا تو تصویر واضح ہو جائے گی۔ لیکن اس کے لئے آپ کو بجلی کے ٹرانسفارمر میں حضرت عمر کے ہاتھوں فلسطین کی فتح کے کل پرزے فٹ کر کے مسلمانوں کی

تباہی کے ابتدائی ایام کی جو علمی روشنی حاصل ہو گی وہ یقیناً چودہ طبق روشن کرنے کے لئے کافی ہو گی۔

"کالی زبان"
کالم میٹھا سچ 831 از ڈاکٹر سلطان محمود
لاہور، 4 مئی 2024ء

2023 میں مقابلے کے امتحان میں بیٹھنے والے تیرہ ہزار آٹھ کالوں کا اپنے جیسے دیگر کالوں پر گوری طرز پر حکومت کرنے کے شوق میں مبتلا ہونے والے محض ڈیڑھ فیصد یعنی دو سو دس ہی کو آج کلبل کرتے کیڑے کی تکلیف سے تشفی ہو پائی ہے۔ یہ بھی شاید اس لئے انٹرویو میں کامیاب ہو پائے کہ ان کے پیچھے سرمایہ دار، جاگیر دار، اسٹیبلشمنٹ اور سیاستدان بیٹھے ہوں گے۔ اس سارے ڈرامے کے بعد انہیں پھر بڑے ادب سے ملکی وسائل کی کنجی حوالے کی جائے گی تاکہ اگلے تیس برس میں ریٹائر ہونے سے قبل وہ اپنے بچے بھی ادھر ہی لے آئیں اور احمق دیہاتیوں کو جھک مارنے کے باوجود ہر سال ناکام کرتے رہیں۔ وجہ یہ نہیں کہ یہ امتحان مشکل ہوتا ہے بلکہ وجہ یہ کہ انتہائی نالائق بھی نوابی کرنے کے شوق میں یہ امتحان دینے چل پڑتے ہیں خاص طور پر دیہاتی طبقے سے تعلق رکھنے والے شہریوں پر حکومت کرنے کے شوقین۔
ہم اپنی عادت کے مطابق کوبرے کے گھر تک ضرور پہنچتے ہیں اور پھر کچھ سیکھ کر ہی وہاں سے پلٹتے ہیں۔ لہٰذا اس دشت کو بھی 1984ء میں عبور کر گئے تھے اور بیشمار تجربے سمیٹ کر خود کو اس بیماری سے دور کرنے سے پہلے پہلے گریڈ انیس تو پا گئے لیکن اپنے جیسی کھال والوں پر حکومت کرنے نیز حکومتی مال ہضم کرنے سے انکاری ہی رہے اور چپکے سے یورپ جا بسے جہاں غالباً آج بھی میرٹ پر ڈاکٹریٹ ہوتی ہو گی اور کالے کی سوچ کی طرح گورا گورے پر یوں حکومت نہیں کرتا ہو گا۔

اپنے اسی تجربے کے بل پر جن دوستوں کو ہم نے پچھلے بیس برس میں سی ایس ایس کا امتحان دینے سے روکا وہ آج بھی اپنی ناکامی کا قصوروار ہماری کالی زبان کو ہی سمجھتے ہوں گے۔ لیکن ہم یہاں چند مثالیں پیش کرنے کی اجازت چاہتے ہیں جن کے بل پر یقیناً آج قارئین ہمیں ایسا نہیں سمجھیں گے۔

ہمارے ٹوکنے پر نہ رکنے والے ان ثابت قدم واغلب، واقفان حال میں سے ایک مینیجر ٹوئسٹر کو ٹیوٹر کہتی تھی، دوسرا ڈاکٹر دوست تھیرپی کو تھروپی اور ڈایابٹیز کو ڈایابیٹی کہتا تھا، تیسری ملنے والی میلا فلائٹ کو فلیٹ کہتی تھی، چوتھے دوست کا انگریزی بولتے وقت موبیل آئل اڑنے لگ جاتا تھا، پانچواں ماتحت نقل کرنے اور دڑے میں ماسٹر تو تھا لیکن سلیبس لامحدود ہونے کے باعث خاک چاٹ گیا، چھٹے کو محفل میں کھانا کھانے کی تمیز نہ تھی، ساتویں خاتون نے علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی سے اردو اور اسلامیات میں ایم اے کھڑکا رکھے تھے، آٹھویں لڑکی ان سب سے بہتر تھی لیکن اپنی غریبانہ دیہاتی تربیت کے باعث نہ تو پردے سے جان چھڑا سکی اور نہ لکھنے بولنے میں انگریزی بہتر کر سکی، جبکہ نویں کزن اور دسویں بھائی کو تو ہم ان کی پیدائش ہی سے جانتے تھے کہ کسی میدان کے ہتھیار نہ تھے۔ ان سبھوں کو ہم نے صرف انگریزی کے معیار پر ناپا اور اس امتحان میں بیٹھنے سے منع کر دیا یہ دسیوں کے دس ہم سے آج بھی اس میٹھے سچ کی تلوار کے براہ راست وار کی بنیاد پر نفرت کرتے ہیں۔

البتہ گیارہویں شریف کی برکت سے ہمارے کزن کے ایک دوست ہماری پری اسیسمنٹ میں پاس ہو گئے اور آج گریڈ بائیس سے ریٹائر ہونے والے ہیں۔ البتہ انہوں نے ہماری توقع کے عین مطابق پاس ہوتے ہی سمن آباد لاہور والا متوسط طبقے کا گھر چھوڑ کر جی او آر میں جگہ بنالی اور پلٹ کر ہم تو ہم اپنے دوست کو بھی نہیں دیکھا۔ خیر اس سے یہ مطلب اخذ نہ کیا جائے کہ جن کو ہم

نے روکا ہم انہیں اپنے سے قریب دیکھنا چاہتے تھے کیونکہ ہمیں چھوڑنا تو سب نے ہی ہوتا ہے لیکن کوئی مایوس ہو کر چھوڑتا ہے اور کوئی مغرور ہو کر۔

خیر یہ واقعات ہمیں آج سی ایس ایس کا نتیجہ دیکھ کر یاد آئے ہیں نیز چونکہ کسی ایسے بچے کی خوشی بھری کال بھی وصول نہیں ہوئی جو ہمارے روکنے کے باوجود پاس ہو گیا ہو، جس کا مطلب ہے کہ وہ بھی ہمیں کالی زبان والا سمجھ کر ہمیشہ کے لئے دور ہٹ گیا اور ہم رہ گئے پھر اکیلے کے اکیلے۔

"پاکستانی ڈگری کوئی نہیں مانتا"
کالم میٹھا سچ 832 از ڈاکٹر سلطان محمود
لاہور، 5 مئی 2024ء

میرے خیال کے مطابق ایسے تمام مقالے جو آپ نے کسی کے لئے لکھے نہ صرف آپ کی ملکیت نہیں کیونکہ آپ نے فیس لے کر لکھے۔ دوم، یہ مقالے طالب علم کی بھی ملکیت نہیں ہوتے بلکہ قانوناً صرف یونیورسٹی کی ملکیت ہوتے ہیں۔ چونکہ یہ تحقیق بھی کسی اور کی ہے آپ کسی کی تحقیق کو اخلاقاً اور قانوناً آگے فارورڈ کرنے کی مجاز نہیں۔ سوم، اگر ایسا کرنا ہی ہو تو متعلقہ طالب علم اور اس کی یونیورسٹی سے تحریری اجازت لینا ضروری ہے جو کہ قانونی طور پر یہ اجازت اگر plagiarism. ایکٹ کے تحت ڈگری کینسل کی جا سکتی ہے دے بھی دیں تو
کیا واقعی آج کے طلباء تحقیق اور رائٹ اپ میں اتنے کمزور اور پست معیار کے ہو چکے ہیں کہ اپنی ڈگری کا کام دوسروں سے کرائیں؟ اور معاوضہ لے کر لکھنے والا کیا اتنا قابل ہو سکتا ہے کہ مختلف موضوعات کے بارے میں ماسٹر لیول کا لکھ بھی سکے؟
اگر آپ نے آگے کہیں فارورڈ کر دیا یا متعلقہ طالب علم کا کسی سے لکھوایا ثابت ہو جائے تو یہ تحقیقی سرقہ تصور ہو گا۔ جس پر سزائیں مقرر ہیں۔ میں 2005 میں زرعی یونیورسٹی فیصل آباد سے جاری پی ایچ ڈی ڈگری اس کے چوری شدہ مقالے کی بنیاد پر لاہور ہائی کورٹ سے مسترد کرا چکا ہوں۔
اس لئے برائے مہربانی محتاط رہیں۔ یہ گروپ پروفیشنلز کا ہے اور پروفیشنل کی تعریف تو آپ کو آتی ہو گی؟

اول تو ہم ہر کسی کے تھیسیز نہیں لیتے، ہم صرف اپنے ممبرز پر اپر ہونے والے تھیسیز کو رائیٹر اور سٹوڈینٹ کی رضامندی سے لیتے ہیں اور اس کا سرٹیفکیٹ بھی دیتے ہیں، جہاں تک صرف اردو ادب کی بات ہے، اس کے علاوہ مینجمنٹ جرنلز کا معاملہ الگ ہے سائنس کے 16 پی ایچ ڈی ڈاکٹرز صرف معیاری جرنلز کو پبلش کرتے ہیں اور 10 سالوں میں 400 سے زیادہ بیسٹ ریٹیڈ تعلیمی اداروں کے جرنلز پبلش کر چکے 5 فیصد جرنلز ہی اس معیار کے ہوتے ہیں کہ انہیں شامل کیا جائے۔ کچھ تو ہم بھی سیکھ چکے ہیں آپ سے۔

اگر ٹائپنگ کمپوزنگ اور کانٹینٹ رائٹنگ کی فیئر سروسیز دیتی ہیں اور اس میں صلاحیت رکھتی ہے، کٹ پیسٹ والے کام نہیں کرتیں جس پر ڈاکٹر صاحب کے تحفظات ہیں، تو چلنے دیں کام بچاری کے کام کو۔

باقی یہاں توڈگریاں بھی تول کر بکتی ہیں

کیا حضور بنیادی قانون مت بھولیں مقالہ یونیورسٹی کی ملکیت ہوتا ہے سکالر کی نہیں۔ سکالر اپنے مقالے میں سے تحقیقی پیپر نکال کر صرف پبلش کرا سکتا ہے اور وہ بھی متعلقہ یونیورسٹی کے ریسرچ بورڈ کی اجازت سے۔

پاکستان میں چونکہ کوئی پوچھنے والا نہیں اس لئے تعلیم و تحقیق کے شعبے میں ہر کام ہی غلط ہوتا ہے۔

میں نے 1984ء میں ایم ایس کا مقالہ اپنے جونئیر کلاس فیلو کے لئے سپروائزر کے حکم سے زرعی یونیورسٹی کے لئے لکھا جس پر مجھے نوٹس موصول ہو گیا جسے پروفیسر صاحب نے اپنے اثر و رسوخ سے اور مجھ سے غلط سٹیٹمنٹ لکھوا کر جیسے تیسے حل کیا۔ ایسے ہی 1991ء میں پولینڈ میں پھر ایک دفعہ اپنی سپروائزری ٹیم کے ایک استاد کی خواہش پر ایک ہزار ڈالر کے عوض وارسا میں اپنے سیشن فیلو نائیجیریا کے مسٹر آدامو کے لئے پی ایچ ڈی کا ڈزرٹیشن لکھنا پڑا۔ سابقہ تلخ تجربے کی بنیاد

پر اور میری خواہش پر مجھے صرف انگریزی درست کرنے کے لئے چنا گیا لیکن آدا موا ور اس کے پروفیسر کی انتہائی سب سٹینڈرڈ انگریزی کی بنیاد پر مجھے سارا مقالہ دوبارہ لکھنا پڑا اس پر آدا مو نے مجھے الگ سے پانچ سو ڈالر دیئے۔ یہ کام بھی اس لئے ہو گیا کیونکہ یونیورسٹی کے قواعد کے مطابق غیر ملکیوں کو انگریزی میں مقالہ ڈھالنے کے لئے مدد لینے کی اجازت تھی۔ مجھ پر سختی تھی کہ اس کے تجربات کے نتائج کا ایک حرف بدل نہیں سکتا تھا۔ ذہن میں رہے کہ زرعی یونیورسٹی وارسا کا دنیا بھر کی پانچ سو ٹاپ یونیورسٹیوں میں 202 واں نمبر تھا 1995ء میں۔

میاں وقار

من گئے تسی ٹھیک کہہ رہے او۔۔۔۔ اینا لمباناں وی لکھدے فیر وی تسی ساڈے سلطان او۔۔۔۔ تفصیل سے سمجھانے کا شکریہ۔ کچھ چیزیں آپ کے پوائنٹس کی روشنی میں درست کرنے میں مدد ملے گی۔

پاکستان میں دو تین HSE و NCBA نے دھڑا دھڑ پی ایچ ڈی کی آٹھ ڈگریاں ایوارڈ کر دیں۔ برس قبل پنجاب یونیورسٹی اور غالباً

دیگر مضامین پر ڈگریاں بغیر لیبارٹری سہولت میری حیرت کی انتہا نہ رہی جب پوچھنے پر پتا چلا کہ کے دے دی گئیں۔ ایسے ہی میں اپنے سے سینئر ایک پروفیسر ڈاکٹر کی سپروژن میں زرعی یونیورسٹی فیصل آباد سے جاری شدہ نیوٹریشن کی پندرہ ایسی ڈگریاں منظر عام پر لایا جن کے لئے لیبارٹری کی سہولت ہی سرے سے یونیورسٹی کے پاس نہ تھی۔ میرے موصوف دوست برادری بیس پر نہ صرف بچ گئے بلکہ ایک دوسرے صوبے میں وائس چانسلر جا لگے۔

میاں وقار

اس پر ایک پروگرام نہ کر لوں آپ سے۔ ضرور کروں گا پھر اس سے سب ڈسکس کریں گے۔ اتنی گہرائی میں جانے کی ضرورت نہیں نہ کسی نے سمجھانے کی کوشش کی

ڈاکٹر سلطان محمود

نہیں وقار بھائی صرف سچ سننے کی طلب رہتی ہے جو پاکستان میں مفقود ہے۔

میاں وقار

یہ بہت اہم ٹاپک ہے خاص کر کے ریسرچ کے طالب علموں کے لیے۔اس پر ضرور پروگرام کریں گے۔ میں سمجھتا تھا ڈاکٹر ندیم خواہ مخواہ اتنا سیریز ہے سائی سینس والا۔ وہ ٹھیک روتا تھا پھر۔

ڈاکٹر سلطان محمود

آپ سیمینار رکھیں تو ایسے پی ایچ ڈی سامنے آئیں گے کہ "جنہیں دیکھ کے شرمائیں یہود" 🥶 ۔لیکن اللہ کے حکم کے مطابق میں خود سے کسی کا پردہ چاک کرنا پسند نہیں کرتا اس لئے چپ ہی بھلی۔

ڈاکٹر سلطان محمود

یہ سائی سینس کیا ہے؟

میاں وقار

آن لائن جرنلز۔۔۔ینبو سے

ڈاکٹر ندیم یمبو یونیورسٹی سعودی عرب میں 15 سال سے پروفیسر ہیں۔

ڈاکٹر سلطان

ہمارے پاس تو ایسے "ڈاکٹر" بھی ہیں جنہوں نے پانچ سو ڈالر دے کر سری لنکا میں پندرہ روزہ قیام کر کے "پی ایچ ڈی کر لی"۔اتنی جلدی کوئی قے نہیں کرتا جتنی جلدی پاکستان اور سری لنکا سے پی ایچ ڈی ہو جاتی ہے۔اب انعم بیچاری کیا جانے کہ کیوں کسی پاکستانی کو بین الاقوامی نوکریاں نہیں ملتیں۔

میاں وقار

یہ ایچ ای سی سے سکالر شپ پر گئے تھے اپ کی طرح اصلی ڈاکٹر ہیں۔
ڈاکٹر سلطان محمود
شکریہ تقریر سننے کا۔ معذرت خواہ ہوں کہ گروپ میں سب کچھ لکھتا رہا حالانکہ آپ کو انباکس کر دیتا تو اچھا رہتا
پھر ضرور ملوایئے مل کر آہ وزاریاں کرینگے۔

"زندہ مردہ میں فرق"
کالم میٹھا سچ 833 از ڈاکٹر سلطان محمود
لاہور، 5 مئی 2024ء
ایک جرمن دانشور کا کہنا ہے
اگر آپ پہاڑوں میں نہیں گھومتے
ننگے پاؤں ساحل پر نہیں چلتے
شاعری نہیں پڑھتے،
پرسکون ماحول میں چائے نہیں پیتے
بارش میں نہیں بھیگتے،
کتابیں نہیں پڑھتے
تو پھر آپ کو موت کا ڈر نہیں ہونا چاہیے
کیونکہ
آپ پہلے ہی سے مر چکے ہیں۔۔۔
ڈاکٹر
کتنی بڑی حقیقت بیان کر دی ہے آپ نے
اس کے علاوہ زندہ بندے کی کچھ اور نشانیاں بھی ہیں۔ مثلاً
آنکھیں بند کر کے اپنی پسندیدہ موسیقی سے لطف لینا۔
اپنے پسندیدہ بندے بندی کو قریب سے محسوس کرنا۔
دبئی، لاس اینجلس یا کوپن ہیگن کے بھرے مال میں اک کنارے پر بیٹھ کر کافی کی چسکیاں لینا
اور آتے جاتے لوگوں کے حسن سے محظوظ ہونا۔

لان میں کھلے رنگ برنگے پھولوں کے قریب بیٹھ کر سہ پہر کی چائے پینا اور۔
کسی اپنے سے ناراض ہو کر پھر اسے اچانک معاف کر دینا۔
روزانہ اپنے بچوں کو گلے لگانا۔
گھر آتے رستے سے پھولوں کا گجرا لینا یا آئس کریم لے کر جلدی گھر پہنچنا اور پیاروں میں بانٹ دینا۔
"صرف اس بات پر مسکرا دینا کہ "بڑے دنوں سے شکایت نہیں زمانے سے
کسی بوڑھے کے ٹھیلے سے بلا ضرورت بہت سی چیزیں خرید لینا۔
بازار میں بنچ پر بیٹھ کر گنے کا رس پینا۔
رات سونے سے قبل دور تک چل کر جانا اور دودھ جلیبی کھانا۔
بازار میں گھومتے ننگ دھڑنگ بچوں کو کبھی کبھی کہیں بٹھا کر خوب پیٹ بھر کر حلوہ پوری اور نان چنے کھلانا۔
کسی فارمیسی پر کچھ فالتو رقم دے دینا کہ کسی غریب کا بھلا ہو جائے۔
گھر میں پڑی فالتو ادویات فارمیسی پہ رکھوا دینا۔
کسی ہسپتال کے وارڈز میں بس خوامخواہ گھومنا اور جو ہو سکے کر دینا۔
اپنے غریب بھائی بندوں کے گھر کا کرایہ یا کوئی بل ادا کر دینا۔
پبلک پارک میں یا سڑک کنارے بنچ رکھوا دینا۔
کسی بے بس کو پولیس کے چنگل سے نکال لانا۔
کسی حقدار کی کہیں سفارش کر دینا۔
موسم بدلتے کسی کو فالتو کپڑے دے آنا۔
بیٹی کے تکیئے کے نیچے کبھی کبھی ہزار کا نوٹ رکھ دینا۔

مہینے بعد اپنی بچی کھچی رقم کسی کی فیس کی مد میں دے آنا۔
ہر مہینے دوستوں کی دعوت کر دینا اور گھنٹوں قہقہے لگانا۔
قسم سے ایسا ہی اور بھی کچھ کرتے رہنے سے زندگی کا احساس دو چند ہو جائے گا۔ کر کے تو دیکھیں۔

"مر کے مٹی"

کالم میٹھا سچ 834 از ڈاکٹر سلطان محمود

لاہور، 00 مئی 2024ء

1 مٹی کے برتن کا استعمال

مٹی کے برتن میں کھانا آہستہ آہستہ پکتا ہے۔

اس کے برعکس سِلور، سٹیل، اور پریشر کُکر میں کھانا جلدی جلدی تیار ہوتا ہے لیکن یہ کھانا پکتا نہیں بلکہ گلتا ہے۔ تو سب سے پہلے اپنے برتن بدلیں، جن لوگوں نے برتن بدل لیے، اُن کی زِندگی بدل گئی۔

2 کُوکِنگ آئل

کوکنگ آئل وہ استعمال کریں۔ جو کبھی نہ جَمے۔ دُنیا کا سب سے بہترین تیل جو جمتا نہیں۔ وہ زیتون کا تیل ہے۔ لیکن یہ مہنگا ہے۔ ہمارے جیسے غریب لوگوں کے لیے سرسوں کا تیل ہے۔ سرسوں کا تیل جمتا نہیں۔ یہ وہ واحد تیل ہے۔ جو ساری عُمر نہیں جمتا۔ اور اگر جم جائے تو سرسوں نہیں ہے۔ ہتھیلی پر سرسوں جمانے والی بات بھی اسی لیے کی جاتی ہے۔

کیونکہ یہ ممکن نہیں ہے۔ سرسوں کے تیل کی ایک خوبی یہ بھی ھے کہ اس کے اندر جس چیز کو بھی ڈال دیں گے۔ اس کو جمنے نہیں دیتا۔ اس کی زِندہ مِثال اچار ہے۔ جو اچار سرسوں کے تیل کے اندر رہتا ہے۔ اس کو جالا نہیں لگتا۔ اور اِن شاء اللہ جب یہ سرسوں کا تیل آپ کے جسم کے اندر جائے گا تو آپ کو کبھی بھی فالج۔ مِرگی یا دل کا دورہ نہیں ہوگا۔ آپ کے گُردے فیل نہیں ہونگے۔ پوری زندگی آپ بلڈ پریشر سے محفوظ رہیں گے۔ کیونکہ سرسوں کا تیل نالیوں کو صاف کرتا ہے۔ جب نالیاں صاف ہو جائیں گی تو دل کو زور نہیں لگانا پڑے گا۔

سرسوں کے تیل کے فائدے ہی فائدے ہیں۔ ہمارے دیہاتوں میں جب جانور بیمار ہوتے ہیں تو بزرگ کہتے ہیں کہ ان کو سرسوں کا تیل پلائیں۔ آج ہم سب کو بھی سرسوں کے تیل کی ضرورت ہے۔

3 نمک بدلیں

نمک ہوتا کیا ھے؟ نمک اِنسان کا کردار بناتا ھے۔ ہم کہتے ہیں بندہ بڑا نمک حلال ہے۔ یا پھر بندہ بڑا نمک حرام ہے۔ نمک انسان کے کردار کی تعمیر کرتا ہے۔ ہمیں نمک وہ لینا چاہیے جو مٹی سے آیا ہو۔ اور وہ نمک آج بھی پوری دنیا میں بہترین پاکستانی کھیوڑا کا گُلابی نمک ہے۔ پِنک ہمالین نمک 25 ڈالر کا 90 گرام یعنی 4000 روپے کا نوے گرام اور چالیس ہزار روپے کا 900 گرام بِکتا ہے۔ اور ہمارے یہاں دس تا بِیس روپے کلو ہے۔

بد قسمتی دیکھیں

ہم گھر میں آیوڈین مِلا نمک لاتے ہیں۔ جس نمک نے ہمارا کردار بنانا تھا۔ وہ ہم نے کھانا چھوڑ دیا۔ اس لئے میری آپ سے گذارش ہے کہ ہمیشہ پتھر والا نمک استعمال کریں۔

4 میٹھا

ہم سب کے دماغ کو چلانے کے لے میٹھا چاہیے۔ اور میٹھا اللہ نے مٹی میں رکھا ہے۔ یعنی گنا اور گڑ اور ہم نے گُڑ چھوڑ کر چِینی کھانا شروع کر رکھی ہے۔ خدارا گُڑ استعمال کریں گڑ۔

5 پانی

انسان کے لیے سب سے ضروری چیز پانی ہے۔ جس کے بغیر انسان کا زندہ رہنا ممکن نہیں۔ پانی بھی ہمیں مٹی سے نِکلا ہُوا ہی پینا چاہیے۔ پوری دنیا میں زمزم کا پانی سب سے بہترین پانی ہے۔ اس کے بعد پھر پنجاب کا پانی ہے۔

اہم بات

کبھی بھی گندم کو چھان کر استعمال نہ کریں۔ گندم جس حالت میں آتی ہے۔ اُسے ویسے ہی استعمال کریں۔ یعنی سُوجی، میدہ اور چھان وغیرہ نکالے بغیر، کیونکہ ہمارے آقا کریم حضرت محمد بغیر چھانے اِٹا کھاتے تھے۔

تو پھر طے یہ ہوا کہ ہمیں یہ پانچ کام کرنے چاہیں۔

1. مٹی کے برتن
2. سرسوں کا تیل
3. گُڑ
4. پتھر والا نمک
5. زمین کے اندر والا پانی

یاد رہے یہ پانی مٹی کے برتن میں رکھ کر مٹی کے گلاس یا پیالے میں پئیں۔

اس کے علاوہ گندم کا ان چھنا آٹا۔

اب سوال یہ ہے کہ ہم یہ ساری چیزیں کیوں لیں؟

یہ ساری چیزیں ہم نے اس لیے لینی ہیں کہ اسی میں ہماری صحت ہے۔

ہم پیدا بھی مٹی سے ہوئے ہیں اور واپس دفن بھی اسی مٹی میں ہونا ہے۔

"عذر لنگ"

کالم میٹھا سچ 835 از ڈاکٹر سلطان محمود

لاہور، 7 مئی 2024ء

ڈیئر فہیم صاحب

میں کوشش کرتا ہوں کہ کچھ گائیڈ کر سکوں کیونکہ میں اس محکمے کو بھی ڈاھڈھا جانتا ہوں، اس کے ڈی جی ڈائیریکٹروں کی تکنیکی مہارت کو بھی نیز خوش قسمتی سے ماحولیات کے شعبے کو بھی۔ رہ گئے بیوروکریٹ تو وہ بچارے تکنیکی معاملات میں ویسے ہی فارغ ہوتے ہیں۔

جب سے شور مچا ہے کہ حیوانات کا فضلہ گرین ہاؤس گیس میتھین میں اضافہ کرتا ہے اس محکمے کے پاس کام نہ کرنے اور دماغ استعمال نہ کرنے کا اک بہانہ ہاتھ آ گیا ہے۔ ویسے تو یہ محکمہ عملی طور پر مکمل ناکام محکمہ ہے لیکن ادھر ادھر کی باتیں کرنے کی بجائے پہلے چند ضروری سوالات کے جوابات محکمے سے حاصل کرنے بنتے ہیں جن کا براہ راست تعلق آپ کے معاملے سے ہے۔ مثلاً

1۔ یہ بات تو درست ہے کہ حیوان میتھین خارج کرتے ہیں اور اگر اس حقیقت کو بنیاد بنایا جائے تو کیا پھر یہ پورا محکمہ ہی بند نہیں کر دینا چاہئے تاکہ بین الاقوامی معاہدوں پر حرف نہ آئے نیز اربوں روپے سالانہ کے اخراجات بھی بچیں گے جو یہ محکمہ ستر سال سے خرچ کر کے بھی حیوانات کے شعبے میں معمولی سی ترقی بھی نہیں لا سکا سوائے افسر پال سکیم کے؟

2۔ پاکستان کا گلوبل وارمنگ میں ایک فیصد بھی حصہ نہیں تو امریکہ، چین، روس، بھارت، برازیل جیسے ممالک جو ماحول کی بربادی کے اصل ذمے دار ہیں کیا انہوں نے اسی گرین ہاؤس گیس کے اخراج کی بنیاد پر لائیو سٹاک آپریشن بند کر دیئے ہیں یا محدود کر دیئے ہیں؟ اگر کر دیئے ہیں تو مثال پیش کریں۔

3۔ پہلے پوائنٹ سے ذرا ہٹ کر یہ سوال بنتا ہے کہ بھلے سے محکمہ غذائی تحفظ میں اپنا کردار ادا کرنے میں مکمل ناکام رہا ہے لیکن پھر بھی انسانی غذا میں دودھ، گوشت، انڈے کے چالیس فیصدی حصے کو محض اس لئے نظر انداز کر دیا جائے کیونکہ پاکستان کیوٹو پروٹوکول پر دستخط کر چکا ہے؟

4۔ کیا محکمہ جانتا ہے کہ میتھین گیس پر قابو پانے کے کون کون سے ایسے طریقے ہیں جن سے حیوانات سے حاصل شدہ چالیس فیصد غذا پر چوٹ بھی نہیں لگتی اور ماحول بھی نسبتا صاف رہتا ہے اور غذائی عدم تحفظ بھی پیدا نہیں ہوتا؟

5۔ اس محکمے نے خود ایشیا کا سب سے بڑا بائیو گیس پلانٹ لاہور میں لگایا ہے (جس کی پہلی فیزیبلٹی میں نے بنائی تھی) کیا ڈی جی کو ایسے لائیو سٹاک آپریشنز کا علم نہیں جو میتھین قابو کرنے کا بہترین حل ہیں؟

6۔ علاوہ ازیں، درجنوں ایسے اقدامات ہیں جن سے حیوانات کم میتھین پیدا کر کے ماحول دوست ثابت ہو سکتے ہیں لیکن چونکہ ایسے کام کرنے میں محنت لگتی ہے اس لئے محکمے کو چاہیے کہ willing چن کر ہمارے حوالے کر دے جنہیں ہم چند ہفتوں میں ٹرینڈ کر دیں گے انشاء اللہ۔ اپنے بیشمار ملازمین کی فوج میں سے چند درجن workers

"ماحول دوست لائیو سٹاک آپریشنز"
کالم میٹھا سچ 836 از ڈاکٹر سلطان محمود
لاہور، 7 مئی 2024ء

Environmentally friendly livestock operations aim to minimize methane production, as methane is a potent greenhouse gas contributing to climate change. Strategies to reduce methane emissions from livestock include:

1. Improving Feed Quality: Livestock fed high-quality diets with balanced nutrition produce less methane during digestion. For example, including more easily digestible feed such as grains and legumes can reduce methane emissions.
2. Feed Additives: Adding compounds like certain types of seaweed or garlic to animal feed has shown promise in reducing methane production in livestock. These additives can alter microbial populations in the gut, leading to lower methane emissions.
3. Digestibility Enhancers: Using feed additives that improve digestibility of feed can help reduce the amount of food

that ferments in the animal's gut, thereby lowering methane production.

4. Methane Mitigation Devices: Technologies like methane capture systems installed in barns or on manure storage facilities can capture methane emissions for use as renewable energy or for flaring, decreasing its release into the atmosphere.
5. Manure Management: Proper management of animal waste, such as anaerobic digestion or composting, can reduce methane emissions from manure storage and handling. These processes can also produce biogas that can be used as a renewable energy source.
6. Grazing Management: Implementing rotational grazing practices can help improve soil health, increase carbon sequestration, and reduce methane emissions from livestock. Rotational grazing allows pastures to rest and recover, leading to healthier grasslands that emit fewer greenhouse gases.

7. Breeding for Efficiency: Selective breeding programs can help develop livestock breeds that are more efficient at converting feed into body weight, leading to lower methane emissions per unit of product.

8. Monitoring and Reporting: Regularly monitoring methane emissions from livestock operations and reporting the data can help identify areas for improvement and track progress towards reducing emissions over time.

By implementing these strategies and technologies, environmentally friendly livestock operations can effectively reduce methane production, mitigating their impact on climate change and promoting sustainable agricultural practices.

"ریسرچ چوری میں بھی ہم دو نمبر"
کالم میٹھا سچ 837 از ڈاکٹر سلطان محمود
لاہور، 12 مئی 2024ء

عالمی معیار کے سائنسی رسالے نیچر سائنس جرنل نے سائنسی تحقیق میں فراڈ کے بڑھتے ہوئے رجحان پر ایسے ممالک کی ایک فہرست جاری کی ہے جہاں سے تعلق رکھنے والے سائنسدانوں کے تحقیقی مقالے اشاعت کے بعد جرنلز سے ہٹا دیے جاتے ہیں۔ اس فہرست کے مطابق 2023 میں 10 ہزار سے زائد سائنسی مقالے شائع ہونے کے بعد خارج کیے گئے، جن میں پہلے نمبر پر سعودی عرب اور دوسرے نمبر پر پاکستانی محققین کے پیپرز تھے۔
بلے بلے اب میرے اسی موضوع پر لکھے چھ کالم بھی سچے ثابت ہو جائیں گے۔
اور یقیناً میرے ایک دوست پروفیسر نیچر میگزین سے بھی ناراض ہو جائیں گے جو پچھلے بیس برس سے مجھ پر ناراض ہیں کیونکہ میں نے ان کے پی ایچ ڈی کرایے گئے پندرہ سٹوڈنٹس کے مقالوں کو کہیں "نیٹ ریسرچ" کہہ دیا تھا۔
اگر پاکستانی ایم ایس سی اور پی ایچ ڈی کی ڈگریوں کی چھان بین میرے حوالے کر دی گئی تو شاید ہی کسی کی ڈگری کینسل ہونے سے رہ جائے۔
اگلے ہی روز کی بات ہے کہ میری اپنی ہی کمپنی کی سابقہ ذہین ریسرچ ورکر سے ملاقات ہو گئی۔ پوچھا کہ آج کل کیا کر رہی ہو۔ فخر سے کہتی ہے کہ سر "کونٹنٹ رائیٹر" ہوں۔ یعنی فیس لے کر پاکستانی یونیورسٹیز کے ماسٹر تھیسس لکھ کر دیتی ہوں۔
اب پاکستانی شاید سمجھ جائیں کہ انہیں عالمی اداروں میں نوکری کیوں نہیں ملتی؟

شاید میرے تمام باسز میرے ہی ماتحت رہ جاتے اگر میرے شعبہ مہارت، یونیورسٹیوں، محکموں اور اداروں میں بھی دو نمبری نہ ہوتی۔ اس کا ثبوت یہ ہے کہ ملک سے نکل کر یورپ جاتے ہی ڈاکٹریٹ میں ٹاپ کر گیا اور امریکن پوسٹ ڈاک میں بھی بہت عزت ملی۔ لہٰذا نیچر میگزین کی اس خبر سے شاید مجھے جتنا اطمینان ہوا ہے وہ کوئی دوسرا مجھ جیسا ہی محسوس کر سکتا ہے۔ یہ پاکستان میں میرے ان حریفوں کو قدرت کی جانب سے جواب ملا ہے کہ جو اپنی ڈگریوں، پروفیسریوں، ڈائیریکٹریوں اور سنیارٹیوں کے دفاع میں میری کارکردگی کو ٹیلی سکوپ اور مائکروسکوپ لگا کر غلطیاں چنتے تھے۔ آج بچارے اندر سے مر کھپ گئے ہوں گے۔ میری پھر بھی اللہ سے دعا ہے کہ ان کے رٹوں، بوٹیوں، سفارشوں رشوتوں اور برادی ازم پر پردہ ہی پڑا رہے تو بہتر ہے۔

"Who Created Pakistan"
کالم میٹھا سچ 838 از ڈاکٹر سلطان محمود
لاہور، 14 مئی 2024ء

Dr. Sultan Mahmood: By and large, this statement is correct bevause Pakistan's political history is full of such jokes. Americans enjoy the position of sole super power so they publicly accept maneuvering the politics of Pakistan and never hesitate to name the stooges.

Sri-Lanka Sunil Gamage: As I remember PM Liaqat Ali Khan was the first such victim.

Dr. Sultan Mahmood: Liaqat was assassinated in 1952 and Pentagon took over entire political system directly but Gen Ayub was very active to grab political system even before the division. Ayub was demoted by Quaid-e-Azam Muhammad Ali Jinnah from Brig to Col so Ayub caused to restrict him in Ziarat till death through influencing Liaqat.

Quaid-e-Azam Muhammad Ali Jinnah himself wanted to put the country into American hands so he deployed his special advisor Mir Laiq Ali to Washington who stayed there for 6 months to

materialize a grant proposal of US$ 120 million. Americans accepted and provided half of this grant in 1953 so an American cartoonist published a cartoon in NY Times and wrote "now onward Pakistan will always be an American slave".

Creation of Pakistan was, in fact, a Pentagon plan which was fabricated by joint Anglo-Americans whites' right in 1915, immediately after Lenin took over Russia. They wanted to install a neiborung country in subcontinent India as watchdog against China, Russia, Iran, Afghanistan and even India. AND STILL SITUATION IS SAME, WHICH MAY CONTINUE TILL THE END OF 21ST CENTURY.

"حضرت احسان دانش"
کالم میٹھا سچ 839 از ڈاکٹر سلطان محمود
لاہور، 15 مئی 2024ء
حضرت سے میری ملاقات 1982ء میں ان کے گھر پر ہوئی تھی پروفیسر عظمت اللہ خان مرحوم کے سفارشی خط کے ذریعے۔
اپنی وفات سے کچھ عرصہ قبل دانشور، شاعر احسان دانش نے اپنا پورا کتب خانہ ایک لاکھ روپے میں بیچ ڈالا۔ اک سینئر صحافی نے حیرت اور تعجب سے پوچھا: "آپ نے اتنا قیمتی خزینہ کیوں فروخت کر دیا؟"
احسان دانش افسوس سے بولے: "چند روز قبل میں نے اپنی بہو کو دیکھا، بیٹھی چائے بنا رہی ہے، اس حالت میں کہ ایک کتاب پاس دھری ہے اور اسے ورق ورق کرکے چولہے کی نذر کرتی جا رہی ہے۔ یہ دیکھ کر میرا دل دکھ سے بھر گیا۔ میں نے سوچا، میرے ہوتے ہوئے یہ حال ہے تو میرے بعد نجانے ان کتابوں سے کیا سلوک ہو, سو ذہن میں اسی دن سے سوچنا شروع کر دیا تھا کہ اپنی کتابیں کسی ٹھکانے لگ جائیں تو ہی اچھا ہے۔
میری ذاتی لائبریری میں کتابوں کے کئی خواہش مند تھے، جو زیادہ موزوں نظر آیا، اسے سب بیچ ڈالیں۔"
تحریر ڈاکٹر فوزیہ تبسم، لاہور (صوفی تبسم کی پوتی)

اس درویش دانشور سے تو یہ توقع تھی کہ اپنی سبھی کتب کسی لائبریری کو مفت دے دیتے جیسا میں نے اپنے اندر کے درویش کے کہنے پر کیا ہے اور پانچ لائبریریوں کو ساڑھے سات ہزار سے زائد کتب دان کر دی ہیں۔ لیکن میرا مشاہدہ ہے کہ حضرت احسان دانش نے مالی دشواریوں سے

جان چھڑانے کے لئے ہی ایسا کیا ہوگا جس کا مجھے 1982ء میں حضرت سے نیاز مندی حاصل کرنے ان کے دولت خانے پر حاضری کی سعادت حاصل کرتے وقت ہو گیا تھا۔

اپنے بے نور چراغوں کو ضیا دی جائے
نہ کہ ہمسائے کی قندیل بجھا دی جائے
قبر کے چوکھٹے خالی ہیں یہ مت بھولو
جانے کب۔۔ کون سی تصویر سجا دی جائے

احسان دانش

ہم نے بچپن سے اپنے گھر میں کتابوں کی مقدس صحیفوں کی طرح قدر دیکھی۔ ابا اور امی دونوں مطالعے کے بغیر سونے کے عادی نہیں تھے اور ہم سب بہن بھائیوں نے وراثت میں یہ عادت پائی۔ اخبار پڑھنے کا بھی ایسا ہی سلسلہ تھا۔ اب مجھے دکھ ہوتا ہے کہ کوئی بھی پڑھنا نہیں چاہتا، تحریر کی طوالت سے تو لوگوں کی جان جاتی ہے اور شاعری میں کاپی پیسٹ سے کام لیکر فیسبکی شاعروں کا ایک الگ ہی انداز ہے۔

منہا

اب خال خال ہی کوئی اور یجنل شاعر اور ادیب ملتا ہے اب تو آئیڈیاز بھی چیٹ جی پی ٹی سے لئے جاتے ہیں۔

طفیل صاحب (نقوش) کی وفات کے چند برس بعد والد صاحب کو کسی کتاب کی تلاش تھی۔ انہیں علم تھا کہ یہ طفیل صاحب کے پاس تھی۔ انکے بیٹے جاوید سے رابطہ کیا تو اس نے چابیاں بھجوا دیں۔ وہاں جا کر دیکھا تو الٹی سیدھی کتابوں پر مٹی جمی ہوئی تھی اکثر کو چوہوں نے قطر دیا تھا۔ متعلقہ کتاب تو نہ ملی مگر سبق مل گیا۔ واپس آتے ہی انہوں نے اپنا کتب خانہ جنڈیر ریسرچ لائبریری کو حدیہ کر دیا۔

انار کلی میں ان کے گھر کا نام دانش کدہ تھا سنا ہے سرکاری وظیفہ بھی ملتا تھا
اللہ تعالیٰ کا خاص کرم ہے مجھ ناچیز کی ان سے کئی ملاقاتیں رہیں سیدھی سیڑھیاں چڑھ کر بالائی منزل پر ان کا گھر تھا مین انار کلی بازار میں۔
اگلا خوش قسمت میں ہوں۔
راولپنڈی صدر میں روڈ کنارے بوریوں میں ایسے بزرگوں کی کتابیں دیکھیں، جو نالائق اولاد نے ان کی وفات کے بعد کباڑیوں کے ہاتھ بیچیں۔
اس قلق سے بچنے کے لئے خود اپنی کتابوں کا سرمایہ لائبریریوں کو تھما دینا چاہئے۔ ویسے تو کوئی اب پڑھتا ہی نہیں لیکن جنڈھیر اور چغتائی لائبریری ریسرچ سکالرز سے آباد نظر آتی ہیں۔

"غذائی نشے"
کالم میٹھا سچ 840 از ڈاکٹر سلطان محمود
لاہور، 15 مئی 2024ء

Environmentalist Younas Zahid: Every problem has a Solution & Every Solution has a Problem.

ڈاکٹر اس کے نقصانات سب کو پتہ ہیں۔ میں نے فوائد بتائے ہیں۔ آپ مزید نقصانات بتا دیں تو مہربانی ہو گی۔
نکوٹین تو ٹماٹر، آلو، چائے پتی، بیگن وغیرہ میں بھی ہوتی ہے لیکن بہت کم مقدار میں۔
بیشمار ڈاکٹر بھی سیگریٹ پیتے ہیں لیکن دوسروں کو منع کرتے ہیں۔ سیگریٹ پینے والا آفیسر صدا بہار اور ملنسار ہوتا ہے۔ اس کا موڈ پورا دن خوشگوار رہتا ہے جبکہ دیگر آفیسرز شام کو چڑچڑے ہو جاتے ہیں۔
شکریہ سر سلطان صاحب اب آپ اسکی تمام برائیوں پر 7 رنگی روشنی ڈالیں۔
ڈاکٹر سلطان محمود
ترغیب گناہ بھی گناہ ہی کے برابر ہے۔ میرے پاس اس وقت صرف سرخ رنگ میسر ہے جو یہ کہتا ہے کہ نکوٹین اور کیفین نشے ہیں جنہیں شروع کرنا آسان اور جان چھڑانا بے حد مشکل ہے۔ بچے تو بچے بڑوں کو بھی دونوں کیمیکل سبسٹانسز سے مکمل طور پر بچ کر رہنا چاہیئے۔

نقصانات کی طبّی و سماجی تفصیل کافی لمبی ہے اور ہر پڑھا لکھا جانتا بھی ہے اس لئے دھرانے کا فائدہ نہیں لیکن بچوں کو ان علتوں سے بچانے کے لئے پہلے والدین ان سے نفرت کے باعث دور رہیں گے ہی تو بہتر رہے گا۔

یونس زاہد

نقصانات مجھ سمیت سب پڑھے لکھے جانتے ہیں۔ اسی لیے میں نے صرف فوائد ہی بتائے ہیں۔ دنیا میں ہر چیز کے کچھ فوائد اور کچھ نقصانات ہوتے ہیں۔

ڈاکٹر سلطان محمود

اب رہی بات قدرتی غذاؤں میں کیفین وغیرہ کی موجودگی تو بھیا صرف دو نکات ہی بیان کروں گا۔

اول، گنے میں بھی بے حد خطرناک سفید چینی موجود ہے لیکن جب تک اسے کیمیکل پراسس سے گزار کر حسین سفید رنگت نہیں ملتی قطعاً خطرناک نہیں۔ جب تک ہم اسے گنے سے الگ نہیں کرتے ہر گز زہر نہیں بنتی۔ ایسے ہی کیفین بھی جب تک سالم غذا میں موجود ہے تو خطرناک ہر گز نہیں مگر اسے جواز بنا کر اور ائیسولیٹ کر کے بطور کیمیکل سبسٹانس بنانا ہر گز قابل تقلید جواز نہیں۔

دوم، السی اور کڑوے بادام میں ویسا ہی زہر موجود ہوتا ہے جو چیونٹی اور کوبرے میں ہوتا ہے لیکن السی میں قدرت نے صرف اتنی مقدار رکھی ہے جو ہمارے جسم میں جراثیم ہی مار سکتی ہے، چیونٹی میں اتنا کم ہے کہ انسان برداشت کر لیتا ہے لیکن کوبرے کی ایک ہی ڈوز پانچ سو انسانوں کو ہلاک کر سکتی ہے۔

لہٰذا جناب من غذاؤں میں موجود زہروں کی مقدار آرگینک اور برداشت کا سوال ہے وگرنہ شراب پینے میں کیا خرابی ہے مذہب سے ہٹ کر؟

چائے یا کافی میں نیکوٹین نہیں ہوتی، اس میں کیفین ہوتی ہے۔

Long-term use of nicotine and caffeine can have adverse effects on health, both individually and especially when used together. Let's explore the negative health impacts of these substances over an extended period:

Nicotine:

Addiction: Nicotine is highly addictive, and long-term use can lead to physical dependence, making it challenging to quit. This addiction can result in significant health consequences as users often find it difficult to break the habit.

Cardiovascular Issues: Nicotine constricts blood vessels, increases heart rate, and raises blood pressure. Prolonged exposure to these effects can lead to an increased risk of heart disease, stroke, and other cardiovascular issues.

Respiratory Problems: Smoking or vaping nicotine can damage the lungs and respiratory system over time, increasing the risk of conditions like chronic obstructive pulmonary disease (COPD) and lung cancer.

Cancer Risk: Nicotine itself is not a carcinogen, but many of the chemicals present in tobacco products are. Long-term use of nicotine through smoking can significantly increase the risk of developing various types of cancer, including lung, throat, and mouth cancer.

Reproductive Issues: Nicotine can have negative effects on fertility in both men and women. It can also lead to complications during pregnancy, such as increased risk of miscarriage, premature birth, and low birth weight.

Mental Health: Nicotine has been linked to mental health issues, including increased anxiety and depression in some individuals. Long-term use of nicotine may exacerbate these conditions or make them more challenging to manage.

Caffeine:

Sleep Disruption: Long-term consumption of caffeine, especially in excessive amounts or later in the day, can disrupt sleep patterns, leading to insomnia or poor sleep quality. Chronic sleep deprivation can have a host of negative effects on overall health and wellbeing.

Cardiovascular Effects: Like nicotine, caffeine can temporarily increase heart rate and blood pressure. Prolonged elevation of these levels may contribute to cardiovascular issues, such as hypertension or irregular heart rhythms.

Digestive Problems: Regular consumption of caffeine can stimulate the production of stomach acid, potentially leading to digestive issues like acid reflux, ulcers, or irritable bowel syndrome (IBS) in sensitive individuals.

Dependency and Withdrawal: Over time, the body can develop a tolerance to caffeine, requiring higher doses to achieve the same stimulant effects. This can lead to physical dependency, and abrupt cessation can result in withdrawal symptoms such as headaches, fatigue, irritability, and difficulty concentrating.

Bone Health: Excessive caffeine intake has been associated with decreased calcium absorption, which can impact bone health over time. This may increase the risk of osteoporosis or fractures, especially in individuals already at risk for these conditions.

Anxiety and Jitters: In some individuals, particularly those sensitive to caffeine, long-term consumption can exacerbate

feelings of anxiety, restlessness, and jitteriness. This can have a negative impact on mental health and overall quality of life.

When nicotine and caffeine are combined, the effects on health can be even more pronounced:

Increased Cardiovascular Stress: Both nicotine and caffeine can raise heart rate and blood pressure, putting additional stress on the cardiovascular system when used together.

Compounding Addiction Issues: The combination of nicotine and caffeine can create a cycle of dependence, as individuals may use one substance to offset the effects of the other. Breaking free from this dual addiction can be even more challenging.

Heightened Anxiety and Nervousness: Combining these stimulants can exacerbate feelings of anxiety, nervousness, or restlessness, which can have a significant impact on mental health and overall wellbeing.

Sleep Disturbances: Using nicotine and caffeine close to bedtime can disrupt sleep patterns even more than using either substance alone, leading to more severe sleep disturbances and associated health consequences.

In conclusion, the long-term use of nicotine and caffeine, particularly when combined, can have a range of negative impacts on health, including cardiovascular issues, respiratory problems, addiction, mental health concerns, and more. It's essential to be mindful of the potential risks associated with these substances and to seek support if trying to reduce or quit their use. Consultation with healthcare professionals can provide guidance on managing addiction, minimizing health risks, and improving overall well-being.

طبعی موت کا سفر پاؤں سے شروع ہوتا ہے

کالم میٹھا سچ 841 از ڈاکٹر سلطان محمود

لاہور، 16 مئی 2024ء

عمر دس سال پیچھے دھکیل کر جوانی واپس لانا آسان تو ہر گز نہیں لیکن پیچھے کی طرف دیکھ کر جوانی واپس بلانے سے کہیں بہتر ہے کہ ہم آگے کی طرف دیکھ کر برطانوی سائنسی تحقیق کے مطابق ورزش کی کیمسٹری سمجھ لیں اور روزانہ بیس منٹ ورزش کر کے بیس برس عمر بڑھالیں۔ اس سائنسی حقیقت کو بے مغز مذہبی مینیجرز تو بالکل نہیں مانیں گے لیکن جینیٹکس یا وراثت کی بدھی رکھنے والے جانتے ہیں کہ ہر بیس منٹ میں ہمارے کروموسومز کی تقسیم ہوتے وقت ٹیلو میئر (وراثتی ٹوپی) پہلے سے چھوٹی ہوتے ہوتے ہمیں بالآخر ساٹھ ستر کے پیٹے میں پہنچا کر اتنی چھوٹی ہو جاتی ہے کہ ہم موت سے ہم کنار ہو جاتے ہیں۔ اس وراثتی ٹوپی کو صرف سخت مشقت اور مناسب غذا ہی چھوٹا ہونے سے روک سکتی ہے۔ اس موضوع پر مزید تحقیقات تیزی سے جاری ہیں اور دس بیس برس کے اندر ہی اندر انسان کی عمر کی طوالت اس کے ہاتھ میں آجائے گی۔

میں نے ایک بار کسی ہیلتھ پروفیشنل کی یہ تحقیق شئیر کر دی کہ انسان کی موت کا آغاز اس کے پاؤں سے ہوتا ہے تو فیس بک پر بیٹھے جنگجو بچے جمورے تو ایک طرف خود فیس بک کی انڈیپینڈنٹ فیکٹ چیکر مشین نے مجھے وارننگ دے دی کہ آپ کی بات کا کوئی ثبوت نہیں ملا لہذا یا تو آپ ثبوت پیش

کریں یا پوسٹ ڈیلیٹ کریں۔ خیر میں نے اب جا کر کہیں خود تجربہ کر کے امریکن ہیلتھ اتھارٹیز کے مذکورہ مسترد کردہ اصول کو بھی غلط کر دکھایا ہے کہ انسان کی طبعی حالت میں موت پاؤں سے شروع ہو کر ہی اوپر کی طرف چلتی ہے۔

میں نے پانچ اپریل سے پندرہ مئی تک چالیس دن کی قدرے سخت جسمانی ورزش کی مشقوں کا ایک اوپن جم میں آغاز کیا اور پھر ذاتی محسوسات کے علاوہ لیبارٹری کی مدد سے نتائج اکٹھے کئے ہیں جس کے میں فائدے پہلے بیان کرنا چاہوں گا اور پھر ورزش کی تفصیل بعد میں دوں گا کیونکہ اکثر سوشل میڈیا کے جنگجوؤں کے پاس وقت نہیں ہوتا اور وہ مشکل بات شروع ہوتے ہی دل چھوڑ کر اگلی پوسٹ پر جا دھمکتے ہیں۔

ان چالیس دنوں میں میرا وزن 92 کلو سے 88 کلو ہو گیا، HbA1c گیارہ سے 7.6، انسولین روزانہ 80 یونٹس سے 55 پر آ گئے، ٹوٹل کولیسٹرول 235 سے 198، ایل ڈی ایل 130 سے 106، VLDL تیس سے 9، یورک ایسڈ 7 سے 5.6، ایچ ڈی ایل 33 سے 37 اور نان الکوحلک فیٹی لیور کا درجہ بھی مناسب حد تک کم ہوا۔

گھٹنوں کی کڑکڑ ختم ہو گئی، تیز چلنے سے ٹخنوں میں سوجھن والی کیفیت غائب ہو گئی، پاؤں اور انگلیوں کی بے حسی دس فیصد رہ گئی، 30 منٹ تک مکمل آلتی پالتی (چوکڑی) مار کر بیٹھنا آسان ہوا، نزدیک کی نظر بہتر ہوئی، جلد میں چمک اور سرخی آئی، ہاضمہ مزید بہتر رہا، 22 سیڑھیاں اترنا چڑھنا بغیر سہارے کے ممکن ہوا بلکہ 7 کلو کے پوتے کو اٹھا کر بھی ممکن ہو گیا۔ اب تیس منٹ تیز چلنے سے

بھی سانس نہیں پھولتا نیز جنسی عمل کافی بہتر ہو گیا ہے۔ نیند گہری اور چار گھنٹوں سے بڑھ کر سات گھنٹوں پر چلی گئی ہے۔ مزاج سے درشتگی کم ہو کر برداشت میں بھی اضافہ نوٹ کیا گیا ہے۔ اب جب پیدل چلتا ہوں تو یوں لگتا ہے کہ ہوا کے دوش پر تیر رہا ہوں۔ میں اڈی اڈی جاواں ہوا دے نال۔

امریکن ہیلتھ اتھارٹیز کے مطابق کھڑی حالت میں جسمانی توازن جوانوں سے بھی بڑھ گیا ہے جو مردوں میں ایک پاؤں پر کم از کم 35 سیکنڈ تک بغیر لڑکھڑائے ہونا چاہئے تھا اب یہ بڑھ کر 42 سیکنڈز ہو گیا ہے۔ جوان عورتوں میں یہ تیس سیکنڈ تک قائم رکھنا ضروری ہے۔

ایک کہاوت seeing is believing ہے لیکن اس سے زیادہ ہمیں جس سے طمانیت ملتی ہے وہ ہے listening is believing ہے۔ اب میں جس محفل میں جاتا ہوں یا جو لوگ مجھے پچھلے چالیس دن سے نہیں ملے وہ یہ کہتے پائے گئے ہیں کہ "آپ کیا کھاتے ہیں جو دن بدن جوان ہوتے چلے جا رہے ہیں". اب آپ ہی بتائیں کہ ہم بتلائیں کیا؟

اب سنیئے اس چراغ لالہ کے روشن رہنے کی داستان مشقت کہ کیسے شبنم شاداب رات بھر جلنے کے بعد اسے روشن کرتی ہے اور وہ ہے کہ کیسے ان چالیس دنوں میں رات خالی پیٹ ساڑھے نو سے گیارہ بجے ڈیڑھ گھنٹے میں سے تیس منٹ میں تین کلو میٹر پیدل چلنا پڑا، تین سیٹ بیٹھکیں، ایک سیٹ ڈنڈ، تین فٹ اونچے بنچ پر پاؤں رکھ کر دو دو سیٹ (12 کا ایک سیٹ) گھٹنوں کو نیچے دبانا، ٹویسٹ مشین پر پندرہ سیٹ لگانا، پیدل مشین پر پندرہ سیٹ لگانا، دائیں بائیں کولہے کھولنے والی مشین پر پندرہ سیٹ،

بازو گھمانے والی مشین پر تین سیٹ، نیز سب سے زیادہ ہلکان کرنے والی دو مشینوں پر دو دو سیٹ لگانا بھی شامل ہے جس میں سے ایک مشین پر پورا 90 کلو کا جسم ہاتھوں کی مدد سے مکمل بیس بیس سیکنڈ تک اوپر اٹھائے رکھنا اور دوسری مشین پر ٹانگیں لمبی کر کے دو سیٹ مسلسل ہاتھوں سے جسم اوپر اٹھا کر پیچھے دھکیلنا ہوتا ہے۔ لیٹ کر گردن دائیں بائیں گھمانا، لیٹ کر ہی پاؤں کو گرفت میں لے کر سینے کی طرف لانا اور اسی حالت میں ٹانگوں کو مخالف اطراف میں کھینچنے کے بھی ایک ایک سیٹ لگانے پڑے۔ سیدھے کھڑے ہو کر ٹانگوں میں خم لائے بغیر پاؤں کو چھو کر بیس سیکنڈ تک رکنا اور پھر جتنا عقبی رخ تک جا سکیں جانے کا ایک سیٹ بھی لگانا پڑا۔ آخر میں ایک سیٹ سانس کی مشق کا یوگا کی طرز پر لگانا بھی ضروری سمجھا گیا۔

ہاں پسینے کے بہاؤ کو ناپا تو نہیں جا سکا لیکن رومال بار بار نچوڑنا ضرور پڑا۔ اس پسینے سے چونکہ جسم سے نمکیات بھی نکل جاتے ہیں اس لئے الیکٹرولائٹس میں توازن لانے کی خاطر بعد میں نمک والی لسی بھی لیتا رہا بمع دو ابلے انڈے اور گرام ٹونا مچھلی روزانہ تاکہ جسم سے خارج شدہ پروٹینز اور کیلشیم پوری ہوتی رہے۔

شکر ہے میں خوش قسمت رہا

کالم میٹھا سچ 842 از ڈاکٹر سلطان محمود

لاہور، 16 مئی 2024ء

ماشاءاللہ کیلکولیٹر کی بہترین تشریح کی آپ نے۔ ہماری صرف دو عرضداشتیں ہیں اگر آپ انہیں داشتائیں نہ سمجھ بیٹھیں تو ۔

اول، یہی کیلکولیٹر مصنوعی ذہانت کی اولین ایجاد تھی لیکن دنیا اس لئے نہیں مانتی کہ تب تک آرٹیفشل انٹیلیجنس کی ٹرم ایجاد نہیں ہوئی تھی۔

دوسری بات ذرا حیران کن سی ہے۔ ہم دونوں برابر کی کلاس میں تھے مگر میں نے اولین سادہ کیلکولیٹر آٹھویں جماعت سے ذرا سا بعد میں استعمال کرنا شروع کر دیا تھا اور وہ بھی لائلپور میں۔ آپ نے لاہور میں ہونے کے باوجود فرسٹ ائیر میں کیا جو کہ بہت بعد کی بات ہے تب میں کیسیو کا سائنٹیفک کیلو میٹر استعمال کرنے کے قابل ہو چکا تھا۔ کیا یہ کھلا تضاد نہیں ہے؟

سلطان محمود

جیسے ہمارے ایک امیر دوست کو، اس کے والد نے، کویت سے ایک کیلکولیٹر بھیجا تھا۔ شاید آپ کے پاس بھی ہو۔

میں نے تو ایف۔ ایس۔ سی۔ کے ملتان بورڈ، فزکس کے پیپر میں لاگ ٹیبل، کمرہ امتحان میں لے کر گیا تھا۔

انجینئر ریاض احمد اپل

درست ہے تب تک کیلکولیٹر ہونے کے باوجود کمرہ امتحان میں لے جانے کی اجازت نہیں ہوتی تھی۔

زراعت کی تباہی

کالم میٹھا سچ 843 از ڈاکٹر سلطان محمود

لاہور، 17 مئی 2024ء

چھوٹے کسان جنہوں نے ٹھیکے پہ زمین لیکر گندم کاشت کی آج وہ قرضوں میں ڈوب گئے ہیں۔
منافع تو دور کی بات اصل زر بھی نہیں ملا۔ تربوز کھیت سے دس سے پندرہ روپے کلو لیا جاتا ہے کسان سے باقی منافع اگلی پارٹیاں کماتی ہیں۔
لہٰذا لوگوں سے گزارش ہے کہ ٹھنڈے کمرے میں بیٹھ کر کسان اور اجناس کے خلاف بکواس بند کریں۔
ورنہ جا کے خود فصل اگا کے دیکھیں تا کہ پتا لگے کاشتکاری کتنا مشکل کام ہے۔
اگر بولنا ہے تو کھاد سپرے بجلی ککنگ آئل چینی مافیا اور مہنگی گاڑیاں اور بلڈنگ میٹرئل بنانے والوں کے خلاف بولیں۔
زراعت ریڑھ کی ہڈی ہے اور آپ ہڈی توڑنے پہ تلے ہوئے ہیں۔
ہم کسانوں کے بچے ہیں خود بھی کھیتوں میں کام کیا ہے اس لیے ان کی مشکلات سمجھتے ہیں۔

سب ہی شامل ہیں اس تخریب چمن میں
صبا بھی، گل بھی، خار بھی، باغباں بھی

میں نے 23 سال حصے پر رقبے لے کر کاشتکاری کی آخر تنگ آ کر چھوڑی حکومتی پالیسیوں کی وجہ سے کیونکہ کھاد ڈیزل بجلی سپرے بیج سب مہنگا ہو گیا تھا حکومت ان سب چیزوں کو دس سال پرانے ریٹ پر لے جائے پھر اگلی بار کسان سے سستے دام اس کی اجناس خریدی جائیں اتنے سال کاشتکاری کے باوجود بھی ایک کچا کمرہ تھا لائبریری بھی وہی کمرہ تھا اور رہائش بھی اس سے آگے نہ نکل سکے تھے سیلاب آیا سب ختم ہوا بعد میں مخیر حضرات کے تعاون سے کچھ اچھا گھر بنا ہے پہلے تو سستا وقت تھا اب حالات بہت مشکل ہیں کسان کے ساتھ کیا گزر رہی ہے ہم سمجھتے ہیں زراعت کی پالیسی نام کی کوئی چیز نہیں ہے میں نے چوکیداری قبول کی فصلیں اگانا چھوڑ دی ہیں حالانکہ جتنا محنت ہم کرتے تھے میرا رب جانتا ہے زراعت کو کسان کو سرمایہ دار بزنس مین سیٹھ سود خور حکمران سب نے مل کر مار دیا ہے۔

شیپنگ یا شخصیت سازی

کالم میٹھا سچ 844 از ڈاکٹر سلطان محمود

لاہور، 17 مئی 2024ء

شخصیت پرستی کوئی قدرتی آفت نہیں بلکہ یہ میڈیا کے ذریعے مسلسل سکھایا جانے والا عمل ہے۔ اسے intravenous انجیکشن کی طرح خون میں وقتاً فوقتاً انجیکٹ کروایا جاتا ہے۔ اس مرض میں مبتلا شخص کو اپنے من پسند لیڈر میں مسیحا نظر آنے لگتا ہے۔ ایک ایسا مسیحا جو کچھ بھی کر سکتا ہے، جو اکیلے پورے نظام کو تبدیل کرنے کی اہلیت رکھتا ہے، جس کا فیصلہ حتمی اور unquestionable ہوتا ہے۔ اور جس کے slang words بھی دعائے خیر سے کم نہیں ہوتے۔ جب مرض پوری طرح بدن میں پھیل جائے تو لیڈر کی تھوک بھی آبِ حیات بن جاتا ہے۔ اُس کی غلطیوں میں بھی میں گہری حکمت نظر آنے لگتی ہے۔ اور یہاں پر سامراج کا مطلوبہ مشن تکمیل کو پہنچ جاتا ہے۔ یہ کوئی غیر ارادی عمل نہیں بلکہ یہ کئی سالوں کی محنت کا نتیجہ ہوتا ہے۔ جی ہاں! ایک بہت ہی profitable اور لگاتار محنت۔

سائیکالوجی میں ایک ٹرمینالوجی استعمال ہوتی ہے جسے "shaping" کہتے ہیں۔ یہ ایک تیکنیک ہے جس کے ذریعے رفتہ رفتہ چھوٹے چھوٹے مرحلہ وار visuals کی مدد سے کوئی مخصوص رویہ یا کوئی عادت سکھائی جاتی ہے۔ shaping ایک کارآمد تیکنیک ہے لیکن اس کی ضرورت تعلیمی

اداروں سے کہیں زیادہ میڈیا ہاؤسز کو ہوتا ہے۔ اُن کا مقصد آپکو شخصیت پرست بنانا نہیں ہوتا بلکہ شخصیت پرستی کے overdose کی مدد سے آپکے شعور کو سلب کرنا ہوتا ہے۔ کیونکہ شخصیت پرستی جب رگوں میں راسخ ہو جائے تو شعور ناپید ہو جاتا ہے اور جب شعور ناپید ہو جائے تو غلامی مقدر بن جاتی ہے۔

ڈاکٹر سلطان محمود

اسی چیز کو سیاست کی زبان میں پروپیگنڈا، میڈیا ٹرائل اور ففتھ جنریشن وار بھی کہا جاتا ہے۔ یہ ہتھیار ہمارے اوپر آزادی کے وقت سے مسلسل آزمایا جارہا ہے اور سیاستدانوں کو لاتے وقت اچھا اور بھگاتے وقت برا ثابت کر دیا جاتا ہے۔ پچھلی صدی تک برا ثابت کر کے عدنان مینڈریس، بھٹو، قذافی، عیدی امین، انور السادات، شاہ فیصل، شہنشاہ ایران، مجیب الرحمان وغیرہ کی طرح قتل کر دیا جاتا تھا لیکن اس صدی میں جلاوطن کر دیا جاتا ہے یا جیل میں ڈال دیا جاتا ہے۔

معاشرتی طور پر بھی یہ تکنیک ہماری گھریلو زندگی میں بدرجہ اتم موجود ہے۔ مثلاً ساس بہو، سسرالی اور میکے کے رشتے داروں نیز کاروباری حصے داروں اور سماجی خدمت کرنے والوں ایدھی اور امجد ثاقب جیسے لوگوں کے لئے بھی۔ وگرنہ اگر غور کریں تو سبھی انسان انیس بیس کے فرق سے ایک جیسے ہی ہوتے ہیں۔ یہ پروپیگنڈا ہی انہیں ہیرو سے زیرو یا زیرو سے ہیرو بناتا رہتا ہے۔

تیز دماغ کی نشانیاں

کالم میٹھا سچ 845 از ڈاکٹر سلطان محمود

لاہور، 19 مئی 2024ء

سٹیفن کوی، ایک امریکن ایجوکیٹر؛ نے دنیا میں کامیاب لوگوں کی جن سات عادات کا ذکر کیا ہے ان میں سے پانچ تو شاید ہر تیز دماغ والوں کی بھی ہوتی ہیں۔ آیئے دیکھیں کہ ہم میں ان میں سے کون کونسی مشترک عادات ہیں۔

Habit 1: Be Proactive.

Habit 2: Begin with the End in Mind.

Habit 3: Put First Things First.

Habit 4: Think Win/Win.

Habit 5: Seek First to Understand, Then to Be Understood.

Habit 6: Synergize

Habit 7: Sharpen the saw

عادت 1: متحرک رہیں۔

عادت 2: دماغ میں اختتام کے ساتھ شروع کریں۔

عادت 3: پہلی چیزوں کو پہلے رکھیں۔

عادت 4: جیت کے بارے میں سوچو اور جیتو۔

عادت 5: سمجھنے کے لیے پہلے تلاش کریں، پھر سمجھیں۔

عادت 6: ہم آہنگی پیدا کریں۔ مثبت ٹیم ورک کے ذریعے لوگوں کی طاقتوں کو یکجا کریں، تاکہ ایسے اہداف کو حاصل کیا جاسکے جو کوئی اکیلا نہیں کر سکتا تھا۔

عادت 7: آپ کے پاس موجود سب سے بڑے اثاثے کو محفوظ کرنا اور بڑھانا۔ اس کا مطلب ہے کہ آپ کی زندگی کے چار شعبوں میں خود کی تجدید کے لیے متوازن پروگرام ہونا: جسمانی، سماجی / جذباتی، ذہنی اور روحانی۔

اور ہم میں جو عادات پائی جاتیں ہیں وہ یہ ہیں:

1۔ وہ وقتاً فوقتاً اپنے آپ سے بات کرتے ہیں اور خیالوں میں اپنے آپ سے کلام کر کے اپنی ہی غلطیوں کی درستگی کرتے رہتے ہیں۔

2۔ اکیلا رہنے کی عادت رکھتے ہیں یعنی بہت ساری ذمے داریوں کے باوجود اپنے آپ کو وقت دیتے ہیں اور اپنے بارے میں بہتر جان لیتے ہیں نیز بیت ساری پیچیدہ گتھیاں سلجھا لیتے ہیں۔

3۔ ان کی سینس آف ہیومر بہت بہتر ہوتی ہے یعنی پر مزاح گفتگو کرنے والے اور نکتے سے نکتہ نکالنے والے ہوتے ہیں۔

4۔ وہ کھلے دماغ کے ہوتے ہیں۔ آوٹ آف دی باکس سوچنے والے۔ روایتی سوچ سے بغاوت کرنے والے ہوتے ہیں۔

5۔ وہ مقابلے اور مشکلات کا رجحان رکھتے ہیں اور پھر ان سے نکل کر جیت کا سفر طے کر جاتے ہیں۔

مخالفانہ تھیوری

کالم میٹھا سچ 846 از ڈاکٹر سلطان محمود

لاہور، 20 مئی 2024ء

میں ان معدودے چند باغیوں میں سے ہوں گا جنہوں نے کوویڈ ویکسین نہیں لگوائی تھی۔ شاید اس کی وجہ یہ تھی کہ میں 1976ء سے ویکسین کی تیاری کے مراحل کو اپنی بیالوجی کی کتب میں پڑھتا آیا تھا اور پھر ایسے حکومتی محکمے میں بھرتی ہو گیا جہاں دوست وقتاً فوقتاً ویکسین کی تیاری کے مراحل سے آگاہ کرتے رہتے تھے۔

دوسری وجہ ذرا زیادہ اہم تھی اور وہ یہ کہ 2001ء میں ورلڈ ٹریڈ سنٹر کی تباہی کے وقت میں نیویارک ہی میں تھا اور میں نے وہاں دھائیوں سے مقیم غیر ملکیوں سے سنا تھا کہ یہ ہولناک کارنامہ کسی ایسی امریکی سازش کا حصہ ہے جس سے، بعد ازاں ثابت بھی ہو گیا کہ، نا صرف خود بخود کمزور ہوتی 102 منزلہ جڑواں میناروں سے جان چھڑالی گئی ہے بلکہ اس تباہی کو مسلمانوں کے نام لگا کر افغانستان پر قبضہ کر لیا گیا نیز مشرق وسطی کے چھ مسلم ممالک کو تباہ و برباد کر کے اسرائیل کی بلا واسطہ مدد کی گئی۔

اب بل گیٹس فاونڈیشن، راک فیلر فاونڈیشن، فائزر جیسی یہودی کمپنیاں جتنا بھی انکار کرتی پھریں آج دو برس بعد ویکسین لگوانے والوں میں اس ویکسین کے ضمنی اثرات ظاہر ہونا شروع ہو گئے ہیں

اور میری تب بھی یہی پیشین گوئی تھی کہ انسانوں کو اس ویکسین میں موجود بعض میٹابولائٹس کے ذریعے ہلاکت کے سفر پر روانہ کر دیا گیا ہے۔

شاید یہ سٹیفن ہاکنگ کی اس اہم ترین تحقیق پر مبنی پروگرام تھا کہ جس میں اس نے ماحولیاتی آلودگی کا ذمہ دار انسان کو قرار دیتے ہوئے وسیع پیمانے پر انسانی آبادی کم کرنے کی ضرورت پر زور دیا تھا بلکہ اسی کی تھیوری پر مبنی 1982ء میں فلم "کنٹیجن "Contagion بھی بنا کر پیش کر دی گئی تھی۔

دنیا میں فلاسفرز، مصلحین اور سائنسدانوں کی تھیوریز پر ہمیشہ مخالفانہ رائے بھی رہی ہے اور دونوں فریقین ایک دوسرے پر سازشی تھیوری کے الزامات بھی لگاتے آئے ہیں لہٰذا میری اس تحریر کو ویکسین کے خلاف سازشی تھیوری ہی سمجھ لیں بے شک۔

اگناسٹکس

کالم میٹھا سچ 847 از ڈاکٹر سلطان محمود

لاہور، 20 مئی 2024ء

What does agnostic mean?

a person who holds the view that any ultimate reality (such as God) is unknown and probably unknowable. broadly: one who is not committed to believing in either the existence or the nonexistence of God or a god.

ایک شخص جو یہ نظریہ رکھتا ہے کہ کوئی بھی حتمی حقیقت (جیسے خدا) نامعلوم اور شاید نامعلوم ہے۔ وسیع طور پر: وہ جو خدا یا خدا کے وجود یا عدم وجود پر یقین کرنے کا پابند نہیں ہے.

We Agnostics goes on to tell us that those who embrace spirituality will eventually encounter a spiritual awakening. The spiritual experience often comes into the conversation when discussing recovery from alcoholism and addiction, as it is seen as

the very moment at which a person begins to truly embrace sobriety.

ہمیں بتاتا ہے کہ جو لوگ روحانیت کو اپناتے ہیں وہ آخر کار ایک روحانی بیداری کا سامنا کریں گے۔ روحانی تجربہ اکثر گفتگو میں آتا ہے جب شراب نوشی اور لت سے بازیابی کے بارے میں بات کی جاتی ہے، کیونکہ اسے اسی لمحے کے طور پر دیکھا جاتا ہے جس میں ایک شخص صحیح معنوں میں تحمل کو اپنانا شروع کرتا ہے۔

اردو میں ہر لفظ کے ہمیشہ کئی معنی ہوتے ہیں، اردو میں Agnostic کا صحیح معنی لادری ہے، اور رومن میں ہم اسے La-adri لکھتے ہیں۔ دوسرے معنی ہیں لاادری اور ایسی عقیدے کا حلیہ کہ نہ ہم خدا کا علم رکھتے ہیں اور نہ ہی رکھ سکتے

An attitude toward religion or religious practices. The disbelief in any claims of ultimate knowledge. Synonyms: scepticism, skepticism. type of: disbelief, unbelief. A rejection of belief.

مذہب یا مذہبی طریقوں کے بارے میں ایک رویہ۔ حتمی علم کے کسی بھی دعوے میں کفر۔

مترادفات: شکوک و شبہات۔ قسم: کفر، کفر۔ عقیدہ کا رد۔

Technically, an atheist is someone who doesn't believe in a god, while an agnostic is someone who doesn't believe it's possible to

know for sure that a god exists. It's possible to be both—an agnostic atheist doesn't believe but also doesn't think we can ever know whether a god exists.

تکنیکی طور پر، ملحد وہ ہوتا ہے جو کسی خدا پر یقین نہیں رکھتا، جب کہ اگنوسٹک وہ ہوتا ہے جو یقین نہیں کرتا کہ یہ یقینی طور پر جاننا ممکن ہے کہ خدا موجود ہے۔ یہ دونوں ہونا ممکن ہے—ایک اجناسٹک ملحد یقین نہیں کرتا لیکن یہ بھی نہیں سوچتا کہ ہم کبھی جان سکتے ہیں کہ آیا کوئی خدا موجود ہے۔

According to philosopher William L. Rowe, in this strict sense, agnosticism is the view that human reason is incapable of providing sufficient rational grounds to justify either the belief that God exists or the belief that God does not exist.

فلسفی ولیم ایل رو کے مطابق، اس سخت معنوں میں، agnosticism یہ نظریہ ہے کہ انسانی عقل کافی عقلی بنیادیں فراہم کرنے سے قاصر ہے یا تو اس عقیدے کو کہ خدا موجود ہے یا اس عقیدے کو کہ خدا موجود نہیں ہے۔

In contrast, the word agnostic refers to a person who neither believes nor disbelieves in a god or religious doctrine. Agnostics assert that it's impossible to know how the universe was created and whether or not divine beings exist.

اس کے برعکس، لفظ agnostic سے مراد وہ شخص ہے جو نہ تو کسی خدا یا مذہبی نظریے پر یقین رکھتا ہے اور نہ ہی کفر کرتا ہے۔ اگنوسٹک اس بات پر زور دیتے ہیں کہ یہ جاننا ناممکن ہے کہ کائنات کیسے تخلیق ہوئی اور آیا الٰہی مخلوقات موجود ہیں یا نہیں۔

موسمی تبدیلی اور دماغی صحت

کالم میٹھا سچ 848 از ڈاکٹر سلطان محمود

لاہور، 21 مئی 2024ء

Scientists Warn Brain Diseases Are Getting Worse as Climate Change Intensifies

HEALTH17 May 2024

BySANJAY SISODIYA & MARK MASLIN, THE CONVERSATION

Climate change is making the symptoms of certain brain conditions worse, our new review has found. Conditions that can worsen as temperature and humidity rise include stroke, migraines, meningitis, epilepsy, multiple sclerosis, schizophrenia, Alzheimer's disease and Parkinson's.

Our brains are responsible for managing the environmental challenges we face, especially higher temperatures and humidity, for example by triggering sweating and telling us to move out of the sun and into the shade.

Each of the billions of neurons in our brain is like learning, adapting computer, with many electrically active components. Many of these components work at a different rate depending on the ambient temperature, and are designed to work together within a narrow range of temperatures.

Our bodies, and all their components, work well within these limits to which we have adapted over millennia.

Humans evolved in Africa and are generally comfortable between 20˚C to 26˚C and 20% to 80% humidity. Many of the components of the brain are, in fact, working close to the top of their temperature ranges, meaning that small increases in temperature or humidity may mean they stop working so well together.

When those environmental conditions move rapidly into unaccustomed ranges, as is happening with extreme temperatures and humidity related to climate change, our brain struggles to regulate our temperature and begins to malfunction.

So it is clear that climate change will affect many people with neurological diseases, often in many different ways. With rising temperatures, admissions to hospital for dementia are more common.

Seizure control can deteriorate in epilepsy, symptoms worsen in multiple sclerosis and the incidence of stroke rises, with more stroke-related deaths. Many common and serious psychiatric conditions, such as schizophrenia, are also worsened and their hospital admission rates rise.

Some diseases can already disrupt perspiration, essential to keeping cool, or our awareness of being too hot. Some drugs used to treat neurological and psychiatric conditions further complicate

the problem by compromising the body's ability to react – reducing sweating or disturbing the temperature-regulating machinery in our brain.

These effects are made worse by heatwaves. For example, heatwaves disturb sleep, and disturbed sleep makes conditions such as epilepsy worse.

Heatwaves can make faulty wiring in the brain work even less well, which is why symptoms in people with multiple sclerosis can get worse in the heat. And higher temperatures can make the blood thicker and more prone to clot due to dehydration during heatwaves, leading to strokes.

Offering help

The broader need to tackle climate change itself is clear. Mitigation measures led by governments with international coordination are needed now.

But it will be years before serious efforts start to make a real difference. In the meantime, we can help people with neurological diseases by providing tailored information about the risks of adverse weather events and temperature extremes.

Doctors and public health experts can explain how to reduce those risks. We can adapt local weather–health alert systems to neurological diseases. We can also work with those affected, their families and carers, to ensure weather–health alerts and responses make sense for affected communities and can be implemented.

Unless we start addressing climate change as part of neurological care, the benefits of scientific advances being made are at risk of being lost. Perhaps most importantly, neurological diseases offer insights into what could happen to the healthy brain pushed beyond evolutionarily derived boundaries and the behavioural capacity to adapt.

This possibility grows increasingly likely as we continue to fail to tackle climate change. To continue to live the lives we want, we should pay more attention to the sensation that it is getting too hot and act against climate change. We depend on our brains: climate change is bad for them.

سائنسدانوں نے خبردار کیا ہے کہ موسمیاتی تبدیلی کی شدت کے ساتھ دماغی بیماریاں بدتر ہوتی جا رہی ہیں۔

صحت 17 مئی 2024

بذریعہ سنجے سسودیا اور مارک مسلین، گفتگو

ہمارے نئے جائزے سے پتا چلا ہے کہ موسمیاتی تبدیلی دماغ کے بعض حالات کی علامات کو بدتر بنا رہی ہے۔ درجہ حرارت اور نمی میں اضافے سے جو حالات خراب ہو سکتے ہیں ان میں فالج، درد شقیقہ، گردن توڑ بخار، مرگی، ایک سے زیادہ سکلیروسیس، شیزوفرینیا، الزائمر کی بیماری اور پارکنسنز شامل ہیں۔

ہمارے دماغ ان ماحولیاتی چیلنجوں کو سنبھالنے کے لیے ذمہ دار ہیں جن کا ہم سامنا کرتے ہیں، خاص طور پر زیادہ درجہ حرارت اور نمی، مثال کے طور پر پسینہ آنا اور ہمیں دھوپ سے باہر اور سایہ میں جانے کے لیے کہنا۔

ہمارے دماغ میں موجود اربوں نیورونز میں سے ہر ایک کمپیوٹر کو سیکھنے، ڈھالنے کی طرح ہے، جس میں بہت سے برقی طور پر فعال اجزاء ہیں۔ ان میں سے بہت سے اجزاء محیطی درجہ حرارت کے لحاظ سے مختلف شرح پر کام کرتے ہیں، اور درجہ حرارت کی ایک تنگ رینج میں مل کر کام کرنے کے لیے ڈیزائن کیے گئے ہیں۔

ہمارے جسم، اور ان کے تمام اجزاء، ان حدود کے اندر اچھی طرح سے کام کرتے ہیں جن کے مطابق ہم نے ہزاروں سالوں میں ڈھال لیا ہے۔

انسان افریقہ میں تیار ہوئے اور عام طور پر 20°C سے 26°C اور 20٪ سے 80٪ نمی کے درمیان آرام دہ ہیں۔ دماغ کے بہت سے اجزاء درحقیقت اپنے درجہ حرارت کی حدود کے اوپری حصے کے قریب کام کر رہے ہیں، یعنی درجہ حرارت یا نمی میں معمولی اضافے کا مطلب یہ ہو سکتا ہے کہ وہ ایک ساتھ اتنی اچھی طرح سے کام کرنا چھوڑ دیں۔

جب وہ ماحولیاتی حالات تیزی سے غیر عادی حدود میں منتقل ہو جاتے ہیں، جیسا کہ موسمیاتی تبدیلی سے متعلق انتہائی درجہ حرارت اور نمی کے ساتھ ہو رہا ہے، تو ہمارا دماغ اپنے درجہ حرارت کو منظم کرنے کے لیے جدوجہد کرتا ہے اور خرابی شروع ہو جاتی ہے۔

لہٰذا یہ واضح ہے کہ موسمیاتی تبدیلی بہت سے لوگوں کو اعصابی بیماریوں سے متاثر کرے گی، اکثر مختلف طریقوں سے۔ بڑھتے ہوئے درجہ حرارت کے ساتھ، ڈیمنشیا کے لیے ہسپتال میں داخل ہونا زیادہ عام ہے۔

مرگی میں قبضے کا کنٹرول خراب ہو سکتا ہے، ایک سے زیادہ سکلیروسیس میں علامات بڑھ جاتی ہیں اور فالج کے واقعات میں اضافہ ہوتا ہے، فالج سے متعلق زیادہ اموات کے ساتھ۔ بہت سے عام اور سنگین نفسیاتی حالات، جیسے شیزوفرینیا، بھی بگڑ جاتے ہیں اور ان کے ہسپتال میں داخلے کی شرح بڑھ جاتی ہے۔

کچھ بیماریاں پہلے سے ہی پسینے میں خلل ڈال سکتی ہیں، ٹھنڈا رکھنے کے لیے ضروری ہے، یا بہت زیادہ گرم ہونے کے بارے میں ہماری آگاہی ہے۔ اعصابی اور نفسیاتی حالات کے علاج کے لیے استعمال کی جانے والی کچھ دوائیں جسم کی رد عمل ظاہر کرنے کی صلاحیت سے سمجھوتہ کر کے مسئلہ کو مزید پیچیدہ بنا دیتی ہیں—پسینہ کم کر کے یا ہمارے دماغ میں درجہ حرارت کو کنٹرول کرنے والی مشینری کو پریشان کر دیتی ہیں۔

یہ اثرات ہیٹ ویوز سے بدتر ہوتے ہیں۔ مثال کے طور پر، گرمی کی لہریں نیند میں خلل ڈالتی ہیں، اور نیند کی خرابی مرگی جیسے حالات کو مزید خراب کر دیتی ہے۔

گرمی کی لہریں دماغ میں خراب وائرنگ کو اور بھی کم اچھی طرح سے کام کر سکتی ہیں، یہی وجہ ہے کہ ایک سے زیادہ سکلیروسیس والے لوگوں میں علامات گرمی میں بدتر ہو سکتی ہیں۔ اور زیادہ درجہ

حرارت ہیٹ ویوز کے دوران پانی کی کمی کی وجہ سے خون کو گاڑھا اور جمنے کا زیادہ خطرہ بنا سکتا ہے، جس سے فالج کا خطرہ ہوتا ہے۔

مدد کی پیشکش

موسمیاتی تبدیلیوں سے نمٹنے کی وسیع تر ضرورت خود واضح ہے۔ بین الاقوامی ہم آہنگی کے ساتھ حکومتوں کی قیادت میں تخفیف کے اقدامات کی اب ضرورت ہے۔

لیکن سنجیدہ کوششوں سے حقیقی فرق آنے میں برسوں لگیں گے۔ اس دوران، ہم منفی موسمی واقعات اور درجہ حرارت کی انتہا کے خطرات کے بارے میں موزوں معلومات فراہم کر کے اعصابی بیماریوں میں مبتلا لوگوں کی مدد کر سکتے ہیں۔

ڈاکٹر اور صحت عامہ کے ماہرین ان خطرات کو کم کرنے کا طریقہ بتا سکتے ہیں۔ ہم مقامی موسمی صحت سے متعلق الرٹ سسٹم کو اعصابی بیماریوں کے مطابق ڈھال سکتے ہیں۔ ہم متاثرہ افراد، ان کے خاندانوں اور دیکھ بھال کرنے والوں کے ساتھ بھی کام کر سکتے ہیں، تاکہ یہ یقینی بنایا جا سکے کہ موسم سے متعلق صحت کے انتباہات اور ردعمل متاثرہ کمیونٹیز کے لیے معنی خیز ہیں اور ان پر عمل درآمد کیا جا سکتا ہے۔

جب تک ہم نیورولوجیکل نگہداشت کے حصے کے طور پر موسمیاتی تبدیلیوں پر توجہ دینا شروع نہیں کرتے، سائنسی ترقی کے فوائد ضائع ہونے کا خطرہ ہے۔ شاید سب سے اہم بات یہ ہے کہ اعصابی

بیماریاں اس بات کی بصیرت پیش کرتی ہیں کہ صحت مند دماغ کے ساتھ کیا ہو سکتا ہے جو ارتقائی طور پر اخذ کردہ حدود اور رویے کی موافقت کی صلاحیت سے باہر ہے۔

یہ امکان تیزی سے بڑھتا جا رہا ہے کیونکہ ہم موسمیاتی تبدیلیوں سے نمٹنے میں ناکام رہتے ہیں۔ اپنی مرضی کے مطابق زندگی گزارنے کے لیے، ہمیں اس احساس پر زیادہ توجہ دینی چاہیے کہ یہ بہت زیادہ گرم ہو رہا ہے اور موسمیاتی تبدیلی کے خلاف کام کرنا چاہیے۔ ہم اپنے دماغوں پر انحصار کرتے ہیں۔ موسمیاتی تبدیلی ان کے لیے بری ہے۔

ادھورا سچ

کالم میٹھا سچ 849 از ڈاکٹر سلطان محمود

لاہور، 22 مئی 2024ء

شاہنواز فاروقی

اگر جرائم ہی معافی کی بنیاد تو پاکستان کے جرنیلوں کو پوری قوم سے درجنوں معافیاں مانگنی چاہئیں۔

ڈاکٹر

اس مضمون میں فاروقی صاحب نے یہ نہیں بتایا گیا کہ امریکی گورے کو برصغیر کی تقسیم کے اندر سے پاکستان برآمد کرنے میں کیا فائدے تھے؟ گو کہ اب ستتر برس میں ہم پر سب واضح ہو چکا ہے لیکن ان عوامل کا ذکر نہ کر کے فاروقی صاحب نے ادھورا سچ بولا ہے۔

یہ الگ بات کہ نیا مسلم ملک وجود میں آنے سے اور 1971ء میں دوسرا مسلم وجود میں آنے سے برصغیر کے ادھر کے مسلمانوں کو بہت نعمتیں میسر آ گئیں مگر چونکہ بنیاد میں امریکی مفادات کی اینٹیں لگائی گئی تھیں لہٰذا آج بھی پاکستانی جرنیل واشنگٹن ہی سے تعینات کر کے اس خطے میں وہی کھیل کھیلا جاتا ہے جو امریکی پینٹاگون چاہتی ہے۔

گو کہ شاہنواز فاروقی نے اس مضمون میں جرنیلوں سے معافی کا مطالبہ کر کے درست موقف پیش کیا ہے لیکن یہ نہیں بتایا کہ معافی حاصل کرنے کے بعد کیا ہونا چاہئے؟ چونکہ پاکستان بننے میں

امریکی ہاتھ کا بھی انہوں نے ذکر نہیں کیا اور معافیوں کے بعد پاکستان کی ترقیاتی تصویر بھی پیش نہیں کی اس لئے فاروقی صاحب کو بھی ادھورا سچ لکھنے پر اپنے تمام قارئین سے معافی مانگ کر آئندہ سے ایک لفظ بھی نہیں لکھنا چاہئے کیونکہ ایسا ادھورا سچ بھی جرنیل ہی چاہتے ہیں کہ لکھا جائے تاکہ عوامی غم و غصہ وقتاً فوقتاً تحلیل ہوتا رہے اور جرنیلوں کے ذریعے امریکی قبضہ اس ملک پر برقرار رکھا جاسکے۔

ایک خطرناک بحث

کالم میٹھا سچ 850 از ڈاکٹر سلطان محمود

لاہور، 22 مئی 2024ء

دنیا نیوز کی خبر ہے کہ چینی وزارت صحت نے فارمی مرغیوں کی افزائش پر پابندی لگادی ہے کیونکہ اس کی فیڈ میں خطرناک ادویات کی وجہ سے لوگوں میں ہارمونز کی خرابی اور نظام تنفس کی بیماریاں بڑھ رہی ہیں۔ نیز خنزیر کے خون کے ہارمونز سے مرغیاں تیزی سے موٹی ہوتی ہیں۔

اکثر دوائیوں میں الکحل اور انسولین میں Lard یعنی خنزیر کی چربی شامل کی جاتی ہے۔ ان کے بارے میں کیا حکم ہے؟

اردو کا بیڑہ غرق

کالم میٹھا سچ 851 از ڈاکٹر سلطان محمود

لاہور، 22 مئی 2024ء

حسن خطابت کے ایڈمن فاروقی صاحب کہ بہت خوب اور معلوماتی مضمون پڑھنے کو ملا جس نے دیگر زبانوں کے اردو میں مروج الفاظ سمجھنے میں مدد دی۔

لیکن دنیا بھر کی غالب زبان چونکہ انگریزی ہے اس لئے ہر زبان کے کم تعلیم یافتہ افراد اردو اصطلاحات ہونے کے باوجود انگریزی کے بعض الفاظ کو استعمال کر جاتے ہیں تا کہ ان کو پڑھا لکھا سمجھا جائے۔ مثلاً رکن اور اراکین کو ممبر اور ممبران کہنا۔ پارلیمان کو پارلیمنٹ، سڑک کو روڈ اور یا بھیجنے کو سینڈ کہنا۔ ایسے ہی اردو کتاب یا مضمون کا موضوع انگریزی میں ہونا۔ جیسا کہ آج کل بہت سے غیر مقبول اخبارات بھی ایسا ہی کر رہے ہیں۔ ٹی وی و دیگر برقی ابلاغ پر زیادہ ان پڑھ لوگوں کے قبضے کی وجہ سے بیشمار پروگراموں کے نام آسانی کی خاطر انگریزی میں مقبول ہو گئے جیسے کہ ففٹی ففٹی۔

اس قبیح عادت سے ہمارے لکھاری اور مقبول رہنماء اپنی ہی اردو کا گلہ گھونٹنے کے ذمہ دار سمجھے جائیں گے۔ ہمارے ایک خود ساختہ ادیب و شاعر نے اپنی سو فیصد اردو زبان کا نام بیسٹ لائف نوٹس رکھا ہوا ہے۔

اس کا کیا علاج یا حل ہے جناب؟

ہمیں یوم حساب کا ڈر نہیں

کالم میٹھا سچ 852 از ڈاکٹر سلطان محمود

لاہور، 24 مئی 2024ء

آکسفورڈ اکنامکس نے دنیا کی ایک ہزار بہترین شہروں کی فہرست جاری کی ہے جس میں دنیا کے ایک ہزار بہترین شہروں کا انتخاب 5 پاکستانی شہر بھی شامل۔

آکسفورڈ اکنامکس کی جانب سے پہلی بار دنیا کے ایک ہزار شہروں کی جامع درجہ بندی پر مبنی فہرست جاری کی گئی ہے۔ جس میں معیشت، ہیومین کیپیٹل، معیار زندگی، ماحولیات اور طرز حکمرانی سمیت 27 شعبوں کو مد نظر رکھا گیا۔ نیز ان شہروں کی خوبیوں اور خامیوں کا بھی اجاگر کیا گیا ہے۔

فہرست کے مطابق پاکستان کا سب سے بہترین شہر اسلام آباد / راولپنڈی ہے جو ایک ہزار شہروں میں 578 ویں نمبر پر ہے۔ پاکستانی شہروں میں دوسرا نمبر لاہور کا ہے جو مجموعی طور پر 878 ویں نمبر پر ہے جبکہ پشاور تیسرے (895 ویں نمبر پر)، کراچی چوتھے (918 ویں نمبر پر) اور کوئٹہ 5 ویں (940 ویں نمبر) پر موجود ہے۔

ایک نکتہ دان دوست پوچھتے ہیں کہ 70 کی دہائی میں لاہور کا کیا نمبر تھا؟ تب ایسے سروے تو نہیں ہوتے تھے لیکن تب بھی شاید یہی نمبر رہا ہو گا۔ ہم نے بھی دوسروں کی دیکھا دیکھی وقت کے ساتھ درختوں کی وجہ سے ٹھنڈے شہروں کو کنکریٹ کا جنگل بنا لیا ہے۔

مجھے یاد ہے 1974ء میں دہلی شہر میں بھی درختوں کے جھنڈ ہوتے تھے جو 1989ء میں آدھے رہ گئے تھے جب میں دوبارہ وہاں گیا تھا۔ ایسے ہی میں نے 1988ء میں وارسا میں بھی وسیع پیمانے پر درخت کٹتے دیکھے۔ 1974ء میں وادیٔ کوئٹہ اور زیارت بھی ہرے بھرے تھے جو 2004ء میں میں نے گنجے ہوتے دیکھے۔ میں نے ان آنکھوں سے پشاور سے چترال اور پھر چترال شہر سے 75 کلو میٹر اوپر سوئیر لشت میں بھی ویسے ہی لکڑی کے ٹرکوں کی قطاریں دیکھی ہیں جیسی شاہراہ ریشم میں گلگت سے ایبٹ آباد تک نظر آتی ہیں۔ میرا 1996ء اور 2023ء میں دبئی کا تجربہ بھی کم و بیش ایسا ہی ہے۔ سن 2000ء میں نیویارک کنکریٹ کا جنگل بن چکا ہوا تھا لیکن ریور سائڈ سے لاس ویگاس اک تھر جیسا صحرا تھا لیکن اگلے ہی دو سالوں میں لاس ویگاس کی فری وے کے دونوں جانب درختوں کی قطاریں نظر آنا ہو چکی تھیں۔

اپنی آنکھوں دیکھی دنیا کے بارے میں بتانے کا مقصد یہ ہے کہ ہمارے لوکل ٹمبر مافیا نے بھی عالمی ٹمبر مافیا ہی کی نقل کی ہے اور ٹھنڈے شہروں کو گرم بنا دیا ہے۔ شاید ملک ریاض کو بھی اگلے جہان میں زرداری، نواز و عمران شدید آگ سے بچا کر ائیر کنڈیشنڈ ولا ان محلات کے بدلے دے دیں جو اس نے انہیں دنیا میں بنا کر دیئے ہیں۔ 🥶

غربت جرم ہے

کالم میٹھا سچ 853 از ڈاکٹر سلطان محمود

لاہور، 24 مئی 2024ء

سماجی جائزہ

نامعلوم نمبر سے 10 مزدوروں، چوکیداروں، پلمبروں، الیکٹریشنز اور بے روزگار لوگوں کو کال کریں، 7 نہ آپ کی کال اٹھائیں گے اور نہ ہی واپس کال کریں گے۔

اب، 10CEOs ، ڈائریکٹر مارکیٹنگ، COO، CFOs، کامیاب بزنس مین کو کال کریں، 7 آپ کی کال اٹھائیں گے اور 3 آپ کو واپس کال کریں گے۔

لوگ اپنی عادات، طرز زندگی، فیصلوں، انتخاب کی وجہ سے غریب ہوتے ہیں۔

نظام، معاشرے، ملک کو مورد الزام نہ ٹھہرائیں۔

آپ اس بات سے کس حد تک متفق ہیں؟

سو فیصد متفق۔ غربت ایک جرم ہے اور اس کا ارتکاب ہر غریب خود کرتا ہے۔

پیارا محکمہ حیوانات

کالم میٹھا سچ 854 از ڈاکٹر سلطان محمود

لاہور، 25 مئی 2024ء

ہمارے سابقہ مگر پیارے محکمہ حیوانات میں دفتری اوقات میں اخبار پڑھتے پڑھتے ڈائریکٹری حاصل کر لینا بھی ایک کمال ہے۔ کوپر روڈ پر ڈی جی آفس اور چاروں پانچوں ڈائریکٹر آفسز میں اخبار لگے ہوئے تھے اور دیگر افسران ایک میز سے دوسرے میز تک سفر کرتے اس اخبار کے انتظار کا جاں گسل مرحلہ چائے وغیرہ پی کر اور خون کے آنسو رو کر گزارا کرتے تھے یا پھر دو چار پرائیویٹ فون کر لیا کرتے تھے۔ یا پھر کسی کلرک کی ٹی سی کر کے ٹریننگ پہ چلے جاتے تھے اور واپس آ کر اگلی ٹریننگ کے خطوط ڈھونڈتے رہتے تھے۔

اللہ کا شکر ہے کہ وہاں کام کرنے کی بری عادت کسی کو نہیں تھی اور اگر ہر ڈائریکٹوریٹ میں ایک ایک ناصر خاں، بوٹا صاحب، اعجاز ورک یا ظہور خان جیسے کلرکوں کی مدد حاصل نہ ہوتی تو ٹیکنیکل افسران نے اب تک پنجاب میں دودھ کی نہریں، انڈوں کی بارش، ویکسین کا سیلاب اور گوشت کے پہاڑ کھڑے کر دینے تھے۔ اللہ نے ہمیں ہاتھ دے کر ترقی سے بچا لیا ہے اور ہمارے ساتھ مزید یہ بھی بہت ظلم ہوا ہے کہ ظالم دنیا نے ہمارے میرٹ پر بنے تمام کے تمام ڈائریکٹرز اور ڈائریکٹر جنرلز کو نوبل پرائز حاصل کرنے سے روک رکھا تھا۔

محکمے کے ستائیس افسران امریکہ یورپ سے خالص میرٹ اور پیدائشی aptitude سے پی ایچ ڈی کر کے آئے مگر محب وطن اتنے کہ محض پانچ ہزار الاؤنس کی خاطر ایف اے او وغیرہ جیسے اعلیٰ ترین اداروں کی لاکھوں ڈالر کی نوکریاں چھوڑ کر آ گئے۔ دو ایک تو آتے وقت ان کے کمپیوٹر بھی تبرک کے طور پر لیتے آئے۔ اگر ہمارے ایسے ایماندار افسروں کو ٹی اے ڈی اے اور پروموشنز کے زہریلے ٹیکے نہ لگتے تو یقین کریں سب نے گائے، بھینس، بھیڑ، بکری اور مرغی کی ایک ایک نئی نسل دریافت کر کے بھارت اور بنگلہ دیش تو ایک طرف برطانیہ اور آسٹریلیا کے منہ پر چماٹ مار دینی تھی۔

میں اس کی آنکھوں پہ مر گیا ورنہ۔۔۔
مجھے تو سرحد پہ جان دینی تھی۔۔۔!!

کیا امیر سچا ہوتا ہے؟

کالم میٹھا سچ 855 از ڈاکٹر سلطان محمود

لاہور، 25 مئی 2024ء

جن ممالک میں "جھوٹ" بولا جاتا ہے وہ غریب ہیں۔

جن ممالک میں "سچ" بولا جاتا ہے وہ ممالک امیر ہیں۔

حضور ایسا بھی کوئی فارمولا نہیں۔ دنیا میں کوئی بھی شخص یا ملک مکمل سچا یا مکمل جھوٹا نہیں ہے۔

اصل بات یہ ہے کہ تمام امیر ممالک میں سے مسلم ممالک چھوڑ کر سبھی غیر مسلم اپنی عوام سے سچ بولتے ہیں اور مخلص بھی ہیں جبکہ پوری دیگر دنیا سے نہ تو مخلص ہیں اور نہ ہی سچ بولتے ہیں۔ امیر مسلم ممالک تو ایک طرف بلکہ غریب مسلم ممالک بھی دونوں محاذوں پر کم و بیش زیادہ تر جھوٹ بولتے ہیں۔ ایک عالمی سروے کی رپورٹ کسی پاکستانی سکالر نے ایک محفل میں دی تھی کہ دنیا بھر میں سرکاری طور پر سب سے زیادہ جھوٹ بولنے والے تینوں ٹاپ کے ملک مسلمان ہیں یعنی پہلے نمبر پر پاکستان، دوسرے پر مصر اور تیسرے پر نائیجیریا۔ ہاں آپ یہ کہہ سکتے ہیں کہ جن ممالک میں مضبوط جمہوریت ہے وہاں اندرونی اور بیرونی طور پر زیادہ تر سچ بولا جاتا ہے۔

ایک حالیہ رپورٹ میں بھی یہ بتایا گیا ہے کہ دنیا کے بہترین معاشرے سب کے سب غیر مسلموں کے ہیں خصوصاً شمالی یورپ جہاں مذہب کی ایک جرعہ بھی قدر نہیں اور ہمارے نزدیک مقدس

مقامات والا ملک سعودیہ 210 میں سے شاید 164 ویں نمبر پر ہے۔ پاکستان بھی کہیں 90 نمبر کے بعد ہے۔ اول شاید سویڈن ہے۔

پچھم کے چور

کالم میٹھا سچ 856 از ڈاکٹر سلطان محمود

لاہور، 27 مئی 2024ء

انگریز لوٹ مار کے نام پر آئے پھر بھی سڑکیں، نقشے، پل بجلی، ڈاک و تار، یونیورسٹیز اور ریلوے کا نظام دے گئے۔ پھر ان کے ہی چھوڑے ہوئے غلام خدمت کے نام پر آئے اور سبھی کچھ کوٹ کر وہیں واپس لے گئے۔

انگریز نے برصغیر میں جتنے بھی ترقیاتی منصوبے بنائے وہ سارے کے سارے لوٹی دولت کو برطانیہ پہنچانے کے لئے تھے۔ نہریں بنائیں تاکہ زیادہ غلہ اگے اور برطانیہ پہنچے، ریلوے نظام بنایا تاکہ لوٹا ہوا مال بندرگاہوں تک پہنچ سکے، سڑکیں بھی بنائیں تو کھیتوں سے غلہ ریل گاڑیوں تک پہنچانے کے لئے بنائیں۔ ڈاک و تار کے محکمے اپنی پیغام رسانی کے لئے بنائے، تعلیمی ادارے بنانے کے پیچھے بھی ذاتی مقاصد تھے، اول جتنا عرصہ بھی ہندوستان میں رہنا تھا اپنے بچوں کی تعلیم جاری رکھنے کے لئے بنائے اور دوسرا مقصد یہ تھا کہ ایک دن واپس تو جانا ہے تو پیچھے ان غدار نوابوں اور جاگیر دار کتوں کی اگلی نسل کے پلوں کو تربیت دینی تھی جو بعد میں سیاستدان، جرنیل، پیر، صحافی، نوکر شاہی اور جج بن کر اپنے ملک کی دولت لوٹ کر تمام زندگی ان کے گھر پہنچا کے آتے رہیں۔ اور یہ دوسرا مقصد آج کے لمحات تک جاری ہے۔ تمام فرقے بھی انہوں نے اپنی رقم لگا کر دارلعلوم بنوا کر پیر طریقت

وغیرہ گھڑے جو غریب سے غریب مرید کے ایمان کو اللہ کی بجائے پیروں سے جوڑ کر اپنی جیب کا آخری پیسہ بھی لٹا آئیں اور پھر پیر وہ رقم برطانیہ کو دے کر آئیں۔

اگر آپ کا خیال ہے کہ انہوں نے کوئی بھی ایسا ادارہ صرف مقامی عوام کے فائدے کے لئے بنایا تو آپ مکمل علم سے بے بہرہ ہیں۔ اور رہی یہ بات کہ وہ سارے نظام ہمیں دے گئے تو بھیا کیا جاتے ہوئے نہریں، سڑکیں اور پٹڑیاں ساتھ لے جاتے؟ ملکہ برطانیہ کے تاج میں ہندوستان کے بادشاہ کا چوری شدہ کوہ نور ہیرا آج تک سجا ہوا ہے جو ان کی چوری چکاری کا وہ زندہ ثبوت ہے جو وہ ماتھے پر سجائے پھرتے ہیں اور شرم بھی محسوس نہیں کرتے۔ گوروں میں صرف برطانیہ ہی واحد چور نہیں ساری یورپیئن یونین، امریکہ، کینیڈا، آسٹریلیا، روس، جاپان اور چین تک اس میں شامل ہیں۔ جنہوں نے سولہویں صدی سے دنیا بھر کو لوٹنے کا آغاز کیا اور ابھی کئی سو سال اور جاری رکھیں گے۔ وہ تو سکالرشپ بھی ہمارے زرخیز ذہنوں کو اپنے لئے استعمال کرنے کے لئے دیتے ہیں۔

پاکستان اور مئی کا مہینہ

کالم میٹھا سچ 857 از ڈاکٹر سلطان محمود

لاہور، 28 مئی 2024ء

سنا ہے کہ ہماری قوم کا حافظہ کافی کمزور ہے۔ چلیں آج چیک کرتے ہیں۔ بتائیں کہ مئی کا مہینہ ہماری تاریخ میں کیوں اس قدر اہمیت رکھتا ہے؟ مندرجہ ذیل تاریخوں کو کون سے قومی اہمیت کے واقعات وقوع پذیر ہوئے؟

مئی 1947 کو؟

3 مئی 1971ء کو بھٹو نے پاکستان توڑنے کی ابتدا کی اور ڈھاکہ میں قومی اسمبلی کے اجلاس میں شرکت سے انکار کرتے ہوئے مغربی پاکستان سے ڈھاکہ جانے والے ارکان اسمبلی کی ٹانگیں توڑنے کی دھمکی دی اور یوں مشرقی پاکستان میں احتجاجی مہم شروع ہو گئی جو پاکستان کو دولخت کرنے کا باعث بنی۔

28 مئی 1998ء کو چاغی کے مقام پر پاکستان نے پہلا ایٹمی دھماکہ کر کے ایٹمی کلب کے ساتویں اور اسلامی دنیا کے پہلے ایٹمی ملک کا درجہ حاصل کر لیا۔

9 مئی 2023ء کو اسٹیبلشمنٹ نے اسی فیصد ووٹ لینے والے عمران خان کو دیوار سے لگانے کے لئے کور کمانڈر ہاؤس لاہور پر حملہ کرا کے تحریک انصاف کو ذمہ دار ٹھہرا دیا۔

ان تینوں واقعات میں فوجی افسران ملوث تھے لیکن منفی اثرات سیاستدانوں کے گلے میں ڈال دیئے گئے۔ دوسرے واقعے پر قوم جشن مناتی ہے کیونکہ پاکستان کو توڑنے والا بھارتی خواب چکنا چور ہو گیا مگر دیگر دونوں واقعات پاکستان کے لئے شدید نقصان کا باعث بنے۔

ان تینوں واقعات میں ملوث سیاستدانوں میں بھٹو، نواز شریف اور عمران کے نام ڈال کر انہیں اقتدار سے علیحدہ کر دیا گیا۔ بھٹو کو پھانسی دی گئی، نواز شریف کو جلاوطن اور عمران کو جیل میں ڈالا گیا لیکن تینوں اہم واقعات میں کسی بھی جرنیل کا نہ تو نام نامزد ہوا اور نہ کوئی سزا دی گئی۔

ریکوڈک پر امریکی قرضے کی پیشکش

کالم میٹھا سچ 858 از ڈاکٹر سلطان محمود

لاہور، 00 مئی 2024ء

یہ چشم کشا رپورٹ ہے اور کئی حقائق سے پردہ اٹھا رہی ہے۔ اور ساتھ ہی کئی سوال بھی ذہن میں لا رہی ہے۔ مثلاً قدرتی خزانوں سے مالا مال بلوچستان کو ہماری سبھی حکومتیں کس کے دباؤ پر آج تک ترقی دینے سے نظر انداز کرتی چلی آ رہی ہیں؟ کیا چین اور امریکہ کی اس خطے میں دلچسپی ہماری بہتری کے لئے ہے یا پھر کوئی اور کہانی ہے؟ ریکوڈک پر امریکی قرضے کی پیشکش سے ہمیں ایک اور تاریخی حقیقت بھی دوبارہ سے ذہنوں میں تازہ کرنے کی ضرورت ہے اور وہ ہے امریکی دباؤ پر سابق شہنشاہ ایران کا ایوب خان سے بلوچستان کا ایک ہزار مربع میل کا علاقہ لینے کا جسے ایرانی بلوچستان یا سیستان کہا جاتا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ ایران کے کل تیل کی پیداوار کی ایک چوتھائی کا ضامن یہی علاقہ ہے۔ بالفاظ دیگر امریکہ اسی وقت سے بلوچستان کی اہمیت سے واقف تھا جب اس کے بھائی برطانیہ کا متحدہ ہندوستان پر تسلط تھا۔ موجودہ دور میں گوادر میں چین کی دلچسپی کیا صرف درآمدات و برآمدات کی حد تک ہے یا اس کی نظر بھی پاکستان کے چھپے ہوئے خزانوں پر ہے؟ کیا پاکستان پر ایک ہی ٹولے کی گرفت بھی اسی جانب اشارہ نہیں کرتی کہ کیوں کسی محب وطن کے ہاتھ میں آج تک ملک کی باگ ڈور اور رہنمائی نہیں دی گئی؟ کیا گورے کا برصغیر کو لوٹ کھسوٹ کر اور پھر بعد

میں تقسیم کر کے واپس جانے کا مقصد لوٹنے کا عمل جاری رکھنے کی ایک نئی شکل تھی جس میں وہ اب بھی اپنے خزانے پاکستانی دولت سے بھرنے کا کام اپنے پاکستانی ایجنٹوں کے ذریعے لے رہا ہے؟ کیا بلوچستان میں علیحدگی کی تحریکوں کی بھارتی سرپرستی کا بھی یہی محرک تو نہیں؟

کیا ان سوالات کا آپس میں کچھ ربط ہے یا نہیں؟

کل کہیں سے یہی تحریر نظر سے گزری تو مندرجہ ذیل کالم لکھ کر اخبار کو بھجوا دیا تھا۔

ڈاکٹر سلطان محمود

میں اور تارڑ صاحب

کالم میٹھا سچ 859 از ڈاکٹر سلطان محمود

لاہور، 6 جون 2024ء

ظفر وٹو صاحب نے ماحولیات پر مستنصر حسین تارڑ کے ناول "بہاؤ" پر ایک اچھا تبصرہ لکھا ہے۔ تارڑ صاحب جیسے حساس لوگ آنے والے وقتوں کو سونگھ لیتے ہیں۔ اس تبصرے کے بعد میں اس کا ناول بھی ضرور پڑھوں گا انشاء اللہ۔

اس ناول کے چھپنے کا شاید وہی زمانہ ہو گا یعنی 1988ء کے لگ بھگ جب میں بھی دودھ گوشت انڈے کی انسانی غذا میں بیماریوں کے خلاف موثر ہتھیار کی اہمیت اجاگر کرتے کرتے ماحولیات اور غذائی تحفظ کی جانب متوجہ ہو گیا تھا اور ایک سرکاری فیلوشپ پر یورپ سدھارا تھا ڈاکٹریٹ کرنے کے لئے۔ لیکن تارڑ صاحب کا ہاتھ یوں بھاری رہا کہ مجھے روزگار کے مسائل درپیش تھے اور میری ڈاکٹریٹ نے مجھے بارہ برس ملک ملک گھمایا بھی اور پھر اگلے بیس برس ماحول کی بہتری کے لئے اپنی دھرتی پر رگڑے کھانے کے لئے بھی چھوڑ دیا۔ مگر میں تارڑ صاحب جیسے آسودہ حال شوبز کے بندے کی طرح پر تعیش ماحول میں قلم گھسیٹ نہ سکا۔ بہر حال ہر انسان کا اپنا اپنا کردار ہے جو بہر حال تارڑ صاحب نے خوب نبھایا ہے اور میں نے بھی صدق دل سے اس چمن کی عملی انداز میں آبیاری کی ہے۔ لکھاری کی تحریر وقت کے ساتھ ہزاروں قارئین تک جا پہنچتی ہے لیکن دھرتی کو

سر سبز بنانے والے میرے جیسے جنگجو گمنام شہیدوں کی طرح قدر دان قاری کو اپنی زندگی میں بھی نہیں دیکھ پاتے۔

پھر بھی شاباش ہے ہماری قوم میں گڈ گورننس والے نظام کا۔ نہ اس پر مستنصر صاحب کے ناول کا پچھلے پینتیس برس میں اثر ہوا اور نہ میری ماحولیاتی کمپنی کی کاوشوں کا اگلے پینتیس برس میں ادراک ہو گا۔ مجھے تو حیرت ہے کہ ابھی شعبہ ماحولیات کی بڑی بڑی توپوں کا کیا بنے گا جو موثر انداز میں میدان میں اتری ہی نہیں اور ابھی صفیں ہی درست کر رہی ہیں۔

مارو گھٹنا پھوٹے آنکھ

کالم میٹھا سچ 860 از ڈاکٹر سلطان محمود

لاہور، 6 جون 2024ء

مجھے لوگ شاید دائیں بازو کا اس لئے سمجھتے ہیں کیونکہ میرا بائیں گھٹنا چوٹ لگنے کے باعث کمزور رہ گیا ہوا ہے، بائیں آنکھ بھی کمزور ہے نیز بایاں پاؤں بھی بھاری ہے۔ میں بائیں ہاتھ سے بھی معدودے چند کام لیتا ہوں جن میں فون پکڑنا بھی شامل ہے، لیکن میرا بایاں کان دائیں کی نسبت زیادہ سنتا ہے اور اسی طرح بایاں گردہ بھی زیادہ فعال ہے۔

بنیادی ماحولیات (ماخوذ)

کالم میٹھا سچ 861 از ڈاکٹر سلطان محمود

لاہور، 7 جون 2024ء

ہر سال 5 جون کو یہ دن منایا جاتا ہے اور یہ سلسلہ 1973 سے جاری ہے یہ دن ماحولیات سے متعلق آگاہی پیدا کرنے اور ماحولیاتی مسائل کو اجاگر کرنے کے لیے منایا جاتا ہے اور یہ ماحول سے متعلق آگاہی کا سب سے بڑا پلیٹ فارم بن گیا ھے جس میں لاکھوں افراد شرکتِ کرتے ہیں. ماحول کے دو اقسام ہیں اول قدرتی ماحول، جس میں پہاڑ، جنگلات، مٹی، سمندر، دریا وغیرہ شامل ہیں جبکہ ماحول کی دوسری قسم ثقافتی ماحول ہے جس کے اجزاء انسانی آبادی، تعمیرات، مذہبی اور ثقافتی مراکز اور معاملات، لباس، معاشی اور معاشرتی شعبے ثقافتی ہیں

جب سے مختلف ایجادات اور ترقی کے نتیجے میں انسان کی معیار زندگی بڑھی ہے انسان کیلئے آسانیاں پیدا ہو گئی ہیں انسانی آبادی بھی تیزی سے بڑھی ہے اور ماحولیاتی مسائل بھی پیدا ہوے ہیں

ماحولیاتی آلودگی بھی پیدا ہوئی ہے ہمارے ماحول کو خطرات لاحق ہوے ہیں ہوا کی آلودگی، پانی کی آلودگی، مٹی کی آلودگی، آواز یا شور کی آلودگی اور ذہنی آلودگی جیسے مسائل پیدا ہوئے ہیں،

موسمیاتی تبدیلی اور گلوبل ورمنگ کے نتیجے میں ہمارے زمین پر زندگی غیر محفوظ ہو گئی ہے اور خطرات بڑھتے جارہے ہیں، اور دنیا کی آبادی کا بڑا حصہ ہر سال متاثر ہوتا جارہا ہے، پاکستان ان

ممالک کے ٹاپ لسٹ میں شامل ہے جو موسمی تبدیلیوں کے نتیجے میں زیادہ متاثر ہیں اور چترال خود بھی گلاف، سیلاب، خشک سالی، لینڈ سلائڈ وغیرہ سے بہت زیادہ متاثر ہے۔

اقوام متحدہ کے اعداد شمار کے مطابق ہمارے خشکی کے حصے 40 فیصد علاقہ Degrade ہو چکا ہے جس کے نتیجے دنیا کی آدھی آبادی متاثر ہو چکی ہے اس موسمیاتی تبدیلی اور آلودگی کے وجہ سے سن 2000 سے ابھی تک خشک سالی میں 29 فیصد اضافہ ہو چکا ہے اور اس خشک سالی سے 2050 تک دنیا کی آبادی کا تین چوتھائی حصہ متاثر ہو گی اس کیلئے ضروری ہے کہ ہمیں متاثرہ علاقوں کو دوبارہ آباد کرنے کی طرف خاص توجہ دینا ہو گا۔ صحرا سازی یا desertification سے 14 ملین میل زمین خراب ہو چکی ہے اور یہ صحرا سازی کا عمل تیزی سے بڑھ رہا ہے اندازہ ہے کہ ہر سال 12 ملین ہیکٹر زمین اس صحرا سازی سے متاثر ہو رہی ہے خشکی 33 فیصد حصہ صحرائی علاقوں پر مشتمل ہے اور یہ مزید پھیل رہے ہیں۔

ہوا اور پانی کے آلودگی کی وجہ سے بہت سے پیچیدہ بیماریاں جنم لے چکی ہیں تقریباً 30 سے 40 فیصد بیماریوں کا تعلق پانی کے آلودگی سے ہے اور کافی بڑی تعداد ہوا کے آلودگی سے۔ ہر سال تقریباً 7 ملین افراد ہوا کے آلودگی اور متعلقہ بیماریوں کی وجہ سے مر جاتے ہیں اور ہر سال 8 لاکھ 29 ہزار افراد گندہ پانی پینے سے مرتے ہیں اور 35 لاکھ 75 ہزار افراد سالانہ پانی سے متعلق بیماریوں کی وجہ سے مرتے ہیں، آلودگی کی وجہ سے زیر زمین پانی اور سمندر بھی متاثر ہوئے ہیں، کیمیکلز، زہریلی اشیاء، نیوکلیئر مواد، پلاسٹک ویسٹ وغیرہ نے سمندروں، مٹی، دریاؤں اور سمندری مخلوق سبھی کو

متاثر کیا ہے، زہریلے پانی اور مٹی سے زہریلی سبزیاں اور پھل پیدا ہو رہے ہیں جو پیچیدہ بیماریوں اور ہلاکتوں کا سبب بنتی ہے۔

ہر سال دنیا میں 350 ملین ٹن پلاسٹک ویسٹ پیدا ہوتی ہیں اور ھر سال ایک سے دو ملین پلاسٹک ویسٹ سمندر میں پہنچتی ہیں اور 2024 کے تخمینے کے مطابق سمندروں میں 14 ملین ٹن پلاسٹک ویسٹ موجود ہے جو سمندری ماحول اور بحری مخلوقات کیلیے بڑا خطرہ ہے۔

مٹی کا کٹاؤ بھی بڑا مسئلہ ہے اندازہ ہے کہ ہر 5 سکنڈ میں ایک فٹ بال جتنا زرخیز مٹی کٹاؤ کا شکار ہوتی ہے جس سے زرخیزی متاثر ہوتی ہے مٹی کی آلودگی بھی ایک بڑا مسئلہ ہے جس سے پیداوار متاثر ہوتے ہیں اور غذائیت متاثر ہوتی ہے شور کی آلودگی بھی ماحول کو متاثر کیا ہے اور ان سب کا نتیجہ ذہنی آلودگی کی صورت پیدا ہوا ہے۔

ماحولیاتی مسائل سے آگاہی کیلئے UNEP کے زیر اہتمام اس سال دسمبر میں ریاض سعودی عرب میں ایک کانفرنس ہو رہی ہے جس کا ایجنڈا ماحولیاتی مسائل کو اجاگر کرنا اور روک تھام کی کوشش ہے یہ ایجنڈا ہے کہ اس صدی میں اوسط درجہ حرارت میں اضافہ کو 1.5 درجہ سنٹی گریڈ سے کم رکھنا ہے اور 2030 تک ہر صورت میں گرین گیسیز کے پیداوار کو کم کرنا ہے اور متبادل توانائی کے ذرائع کو فروغ دینا ہے۔ آیئے مل کر ماحول کی حفاظت کریں۔

قطرہ قطرہ دریا

کالم میٹھا سچ 862 از ڈاکٹر سلطان محمود

لاہور، 7 جون 2024ء

آبادی اور مذہب کے ساتھ ہم تعمیرات کو ملانے کی بجائے اسے طبعی یا فزیکل ماحولیات کہتے ہیں۔ نیز سوشل انوائرمنٹ کو ہم سماجی ماحول کہتے ہیں اور اسی میں ثقافت کو بھی شامل کر لیتے ہیں۔ یہ برٹش سٹائل ہے جو قریب قریب تمام دنیا میں مستعمل ہے سوائے امریکہ کے جو صرف دو کیٹیگریز ہی کرتے ہیں جیسے آپ نے کی ہیں مثلاً قدرتی یا natural اور تعمیراتی یا built environment. جیسے علم کے پھیلاؤ میں ہر پروفیشنل کی قطرہ قطرہ کاوش شامل ہوتی ہے اور یوں علم کا دریا روانی پکڑتا ہے ایسے ہی میری بھی کچھ باتیں بعض اداروں کو ماننی پڑیں۔

مثلاً نیسپاک جیسے ادارے میں میں نے دو اصطلاحات تبدیل کرنے کی کوشش کی۔ 2007ء سے قبل ان کی ہر EIA یا IEE میں فارم اینیملز یا لائیو سٹاک کو بیالوجیکل انوائرمنٹ میں شمار کیا جاتا تھا اور نقل در نقل کے رواج سے عام قاری لائیو سٹاک اور وائلڈ لائف میں فرق نہ کر پاتا تھا۔ میں نے مضبوط دلائل سے وہاں کی سیاسی مافیا کے نظریئے کو تبدیل کر دیا کہ دودھ گوشت انڈہ انسانی خوراک کا لازم حصہ ہیں لہٰذا اسے سماجی ماحولیات کا حصہ بنا دینا چاہئے اور یوں اپنے سیکشن میں پہلی بار انسانی دخل اندازی کو سوشل اور عدم دخل اندازی کو ایکالوجی تسلیم کر کے بیالوجیکل ماحولیات کا

حصہ بنوایا اور آج تک یونہی ہو رہا ہے ماسوائے ان پروفشنلز کے جو اب بھی 2007 سے پہلے والی رپورٹوں کی نقل کرتے ہیں۔

دوسری اہم تبدیلی میں نے اپنی پہلی پوسٹ ڈاک میں لینگسٹن یونیورسٹی اوکلاہوما سے کرائی اور وہ بھی تب جب وہ میرے اس سوال کا قابل قبول جواب نہ دے سکے تو اس بنا پر میں نے اپنا نکتہ تسلیم کروایا۔ میں نے امریکن محکمہ زراعت یا USDA سے پوچھا کہ آپ جنگلات اور انسان کو کیسے ایک ہی کیٹیگری میں رکھ سکتے ہیں جبکہ یا تو جنگل کو فاریسٹ نہ کہیں اور اسے اسی جگہ رہنے دیں اور یا پھر اگر اسے فاریسٹ کہنا ہے تو انسانی دستبرد کے بعد اسے بھی ڈیمز اور بلڈنگوں کی طرح built environment کی کیٹیگری میں رکھیں۔ بہر حال میرے باسز نے میری توجیہہ کو قبول کیا اور میں نے ازاں بعد کولمبیا یونیورسٹی نیویارک میں بھی اسی بنیاد پر دوسری پوسٹ ڈاک کی رپورٹس میں اسے یونہی لکھا اور منظور کرایا۔ دراصل امریکہ اپنے آپ کو باقی دنیا سے مختلف اور زیادہ اصلاح کار ثابت کرنے کے لئے برطانیہ سے الٹ کرنے پر یقین رکھتے ہیں۔ یہاں تک کہ ہم سوئچ نیچے دبا کر آن کرتے ہیں تو وہ اوپر دبا کر آن کرتے ہیں۔ ہم 240 وولٹ استعمال کرتے ہیں وہ 110. اسی طرح ان کی کئی اصطلاحات کے ہجے بھی مختلف ہیں۔

نس بندی

کالم میٹھا سچ 863 از ڈاکٹر سلطان محمود

لاہور، 7 جون 2024ء

ہمارے ایک ماحولیاتی ماہر دوست نے نقصان دہ حشرات الارض کی آبادی پر قابو پانے کے لئے اپنے مضمون "سیکس ہارمون / فیرومون سے فروٹ فلائی / دیگر حشرات پر کنٹرول" میں ایک ایسے طریقہ کار کی وضاحت کی ہے جسے انسانوں پر بھی لاگو کیا جاسکتا ہے۔ فرماتے ہیں کہ فروٹ فلائی اول تو پتوں کے نیچے پرورش پانے کی وجہ سے سپرے سے بچ جاتی ہے لہٰذا مادہ اپنے انڈے پھلوں (امرود، بیر، لسوڑے، وغیرہ) میں داخل کر دیتی ہے جو کہ پھلوں کے پکنے کے ساتھ ساتھ اپنا لائف سائیکل بھی مکمل کر کے پکے پھلوں سے اڑ جاتی ہیں جس سے سارا پھل بھی تباہ ہو جاتا ہے اور سپرے کا اثر بھی نہیں ہوتا کیونکہ ان کی ساری پرورش فروٹ کے اندر ہی ہوتی ہے۔ حشرات، کیمسٹری اور ماہرین نفسیات کی مشترکہ کوشش سے مادہ مکھی کا مخصوص سیکس ہارمون فیرومون کو روئی میں بھگو کر باغ کے مختلف حصوں میں لٹکا دیا جاتا ہے جس کی کشش سے ہزاروں نر مکھیاں اس پر آتی ہیں اور زہر کے اثر سے وہیں مر جاتی ہیں۔ لہٰذا مادہ مکھی پھلوں میں انڈے بھی داخل نہیں کر سکتی۔ اس ماحول دوست طریقہ کار میں مادہ مکھیوں کو نہیں مارا گیا نہ فصل پر سپرے ہوا اور نہ ہی کوئی دیگر بے قصور حشرات و جانور مرا۔ حتیٰ کہ اس طریقہ کار میں مادہ مکھیاں بھی معصوم قرار پائیں۔

بالفاظ دیگر آبادی پر قابو پانے کے لئے مرد کی نس بندی کرنی چاہئے۔ میں اس طریقہ کار کے حق میں ہوں کیونکہ مرد کی نس بندی سے نہ تو اس کی عمومی و خصوصی صحت پر کوئی برا اثر پڑتا ہے اور نہ جنسی اختلاط میں کج روی آتی ہے بلکہ جنسی طاقت ذرا زیادہ اجاگر ہو جاتی ہے کیونکہ جو حرارے اور

پروٹین سپرم یا مادہ منویہ حیات پیدا کرنے میں خرچ ہونے ہوتے ہیں وہی مردانہ عضو تناسل کی طاقت میں کام آتے ہیں۔

لیکن اس طریقے سے تبھی آبادی پر قابو پایا جا سکتا ہے کہ اگر ہر خاندان میں دو بچوں کی پیدائش کے فوراً بعد مرد اپنی رضامندی سے نس بندی کرا لے۔ اس رضاکارانہ قربانی سے اس خاندان کی صحت اور معیشت پر بہتر اثر پڑے گا بلکہ محض ایک دھائی میں ہماری ملکی آبادی بڑھنا بند ہو جائے گی۔ ذرا اندازہ کریں کہ پاکستان میں ساٹھ کی دھائی میں ایوب خان نے اور پھر بھارت میں ستر کی دھائی میں اندرا نے یہ مہم شروع کی مگر دونوں جگہ مذہبی عناصر نے یہ مہم ناکام کر دی۔ دنوں کے طریقہ کار میں ایک دلچسپ فرق تھا یعنی ایوب نے عورتوں کو ٹارگٹ کیا لیکن اندرا نے مردوں کو۔

کم علم مذہبی علماء کی یہ دلیل البتہ بالکل غیر منطقی اور بودی ہے جس میں وہ یہ تو کہہ دیتے ہیں کہ اللہ اور رسول مسلمانوں کی آبادی بڑھانے کا حکم دیتے ہیں لیکن ساتھ یہ نہیں بتاتے کہ پیغمبرِ اسلام حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم تمام زمانوں کے لئے قریب قریب ہر شعبہ زندگی میں بہترین پلانر ثابت ہو چکے ہیں اور یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ ان کی تعلیمات فیملی پلاننگ کے خلاف ہوں جو کہ موجودہ دور کا سب سے بڑا گھمبیر اور نقصان دہ مسئلہ ہے۔

بدترین حکمرانی

کالم میٹھا سچ 864 از ڈاکٹر سلطان محمود

لاہور، 7 جون 2024ء

بری حکمرانی کی بدترین مثال۔ اورنج ٹرین چلے نہ چلے مگر چینی بنک کے قرض کی پہلی قسط 31 جولائی 2024ء کو 14 ارب 31 کروڑ روپے ادا کرنی ہی پڑے گی اور تاخیر پر روزانہ کا پانچ لاکھ ڈالر جرمانہ الگ سے۔

اب ہو گا کیا بھلا؟ قومی خزانہ خالی ہونے کے باعث پاکستان مزید قرضوں میں پھنسے گا لہٰذا امریکن بنیے کی مزید شرائط مانے گا اور پھر پینٹاگون کی لمبی غلامی میں ویسے ہی رہے گا جیسے پچھلے ستتر سال سے ہے۔ اور یہی بات 1953ء میں ایک امریکی جریدے نے اس وقت لکھ دی تھی جب قائد اعظم کی تحریک پر لیاقت دور میں چھ کروڑ ڈالر کا پہلا امریکی قرضہ جاری ہوا تھا۔ اس سے فیض احمد فیض کا وہ جملہ بھی یاد آ گیا ہے کہ جب کسی نے پوچھا کہ مجھے بہت تشویش ہے کہ پاکستان کا کیا بنے گا تو انہوں نے اپنے مخصوص لہجے میں مسکرا کر کہا کہ گھبراؤ نہیں اچھی خبر یہ ہے کہ پاکستان یونہی چلتا رہے گا۔

اندرونی دشمن

کالم میٹھا سچ 865 از ڈاکٹر سلطان محمود

لاہور، 7 جون 2024ء

Tahira Shahid

It costs US$ 38 trillion to create oxygen for 6 months for all human beings on earth but trees do it for free.

I went to kashmir and simply said let's pick up litter and make it a clean country۔ And it happened to be 23rd March so I wished Pakistan day at the end of my campaign and a million kashmiris were ready to slit my throat for even attempting to call them Pakistan which I didn't. It's rather sad to see kashmiris as our colleagues friends enjoying perks property opportunities and yet when Any non kashmiri goes there. They r met with such hostile sentiment it hurts. I'm not even political it was a clean green initiative

DSM

Tahira Shahid Unfortunately the same is the trend in Balochistan, Sindh, KP and even in South Punjab, but against whom? My gut feeling is that our army is known as Punjabi army so we reap the crop if discrimination as sown by them.

طاہرہ شاہد

زمین پر موجود تمام انسانوں کے لیے 6 ماہ تک آکسیجن بنانے پر 38 ٹریلین امریکی ڈالر لاگت آتی ہے لیکن درخت مفت میں کرتے ہیں۔

میں کشمیر گئی اور صرف اتنا کہا کہ چلو کوڑا اٹھائیں اور اسے صاف ستھرا ملک بنائیں۔ اور یہ 23 مارچ کو ہوا تو میں نے اپنی مہم کے اختتام پر یوم پاکستان کی خواہش کی اور دس لاکھ کشمیری میرے گلے کاٹنے کو تیار تھے یہاں تک کہ انہیں پاکستان کہنے کی کوشش کی جو میں نے نہیں کی۔ کشمیریوں کو ہمارے ساتھی دوست جائیداد کے مواقع سے لطف اندوز ہوتے ہوئے دیکھ کر اور پھر بھی جب کوئی غیر کشمیری وہاں جاتا ہے تو یہ دیکھ کر افسوس ہوتا ہے۔ وہ ایسے مخالفانہ جذبات سے ملے ہیں جس سے تکلیف ہوتی ہے۔ میں سیاسی بھی نہیں ہوں یہ کلین گرین پہل تھی۔

ڈی ایس ایم

طاہرہ شاہد بد قسمتی سے بلوچستان، سندھ، کے پی حتیٰ کہ جنوبی پنجاب میں بھی یہی رجحان ہے، لیکن کس کے خلاف؟ میرے دل کا احساس ہے کہ ہماری فوج پنجابی فوج کے نام سے جانی جاتی ہے لہٰذا اہم فصل کاٹتے ہیں اگر ان کے ذریعہ امتیازی سلوک کیا جائے۔

ہاروے کی تعریف

کالم میٹھا سچ 866 از ڈاکٹر سلطان محمود

لاہور، 7 جون 2024ء

ڈاکٹر سلطان محمود نے بطور سائنسدان اور تحریکی کارکن نیز غذائی تحفظ کی خود مختار عالمی تحریک کے مقامی رہنما کے طور پر ایک غیر معمولی زندگی گزاری ہے اور انہوں نے 'فکر سلطان' جیسی طاقتور دستاویزی سیریز میں اپنی آدھی صدی کی شاندار کہانی بیان کرتے ہوئے اہم معلومات سے بھری وہ تاریخ بھی بیان کر دی ہے کہ پاکستان کے غیر مستحکم حالات کے باوجود مقامی، قومی اور عالمی سطح پر حیاتیاتی تنوع یا بائیوڈایورسٹی پر کارپوریٹ قبضے کے خلاف کس طرح نچلی سطح کی لڑائی کو اٹھا کر قومی اور گاہے بگاہے عالمی سطح پر لے جاتے ہیں۔ ان کی یہ سوچ بھی قابل داد ہے کہ دنیا بھر میں مقامی سطح کی کمیونٹی ہمیشہ مقدس اور خود مختار ہونی چاہئے تاکہ وہ اپنے علم اور حقوق کو حاصل کر کے مستقبل کی دنیا کی حقیقی کہانی کا نقشہ ترتیب دے سکے۔

میجر ریٹائرڈ ہاروے لڈوگ، ہیڈ پینل آف ایکسپرٹ ورلڈ بنک، تونسہ بیراج ایمرجنسی بحالی منصوبہ، پاکستان (حالیہ مقیم بنکاک) 2008.

Dr Sultan Mahmood: Dr. Sultan Mahmood has led an extraordinary life as a scientist and activist as well as a local leader of the independent global food security movement, and he has told his remarkable half-century story in powerful documentary series 'Fikr Sultan'. That informative history also describes his bare footed story that how grassroot struggles against corporate capture of biodiversity can be siphoned up at the local, national, and global levels despite Pakistan's unstable conditions. It is also commendable to think that the local level community around the world should always be sacred and independent so that they can get their knowledge and rights to chart the true story of the future world.

Maj (R) Harvey Ludwig

Head, Panel of Expert World Bank, Taunsa Barrage Emergency Modernizing Project, Pakistan 2008.

امریکن ڈاکٹر ہاروے 94 سال کی عمر میں 2011ء میں بنکاک میں فوت ہو گئے تھے۔ انہوں نے اپنے ان الفاظ والے خط میں مجھے اپنی چند تصاویر بھی بھیجی تھیں۔ وہ امریکہ سے دوبار ریٹائر ہوئے اور پھر بنکاک میں شادی کر کے سیٹل ہو گئے۔ پہلی بار دوسری جنگ عظیم میں میجر کی حیثیت سے امریکن فوج سے اور دوسری بار اپنی بنائی انجینئرنگ کنسلٹنسی کمپنی Sheladia Inc سے جو نیٹ پر موجود ہے۔ انہوں نے مجھے اس کمپنی میں کنسلٹنسی کی آفر بھی دی تھی مگر میں نیپاک میں نوکری کے باعث جا نہیں سکا تھا۔

تہذیب ٹائپ ون کی آمد

کالم میٹھا سچ 867 از ڈاکٹر سلطان محمود

لاہور، 9 جون 2024ء

ترجمہ ملاحظہ کیجئے۔

مصنوعی ذہانت کے کمالات پر مبنی سو سے دو سو سال کے اندر اندر مستقبل کے حیران کن قیاسات پر مبنی 15 مفروضے جس کے تحت دنیا ٹائپ ون تہذیب میں بدل جائے گی:

1۔ زمین اور نزدیکی سیاروں کی تمام توانائی انسان کے قابو میں آجائے گی لہٰذا زمین میں چھپے خزانے نکالنے کی ضرورت ہی ختم ہو جائے گی۔ غذائی قلت پر قابو پالیا جائے گا۔ لائیو سٹاک اور زرعی فارم ختم ہو جائیں گے اور عمودی زراعت ترقی پائے گی۔

2۔ پانی کمی دور ہو جائے گی اور سمندروں کے پانی کو بھی پینے کے قابل بنالیا جائے گا۔

3۔ بالاتر درجے کی حکومتیں وجود میں آجائیں گی جو مصنوعی ذہانت نینو ٹیکنالوجی استعمال میں لاتے ہوئے ٹریفک سے لے کر ہر طرح کی صنعتوں پر بھی کنٹرول حاصل کر لیں گی۔

4۔ انسانی عمر مصنوعی ذہانت کے ذریعے قابو میں آجائے گی اور دو سالہ یوم پیدائش منانا عام سی بات لگے گی۔

5۔ دوسرے سیاروں کے ساتھ آمد و رفت نا صرف ممکن ہو جائے گی بلکہ نہایت آسان، پلک جھپکتے تقریباً مفت میں ہو جایا کرے گی۔ اس طرح انسان سبھی سیاروں کے ایک ایک گرام خزانے کو بھی استعمال میں لے آئیں گے۔

6۔ عمارات اور جنگلات سمیت سارا نظام تھری ڈی ٹیکنالوجی کے تحت بن جائیں گے۔ ٹریفک اڑنے والی کاروں میں بدل جائے گی۔ کیبل اور دیگر تاریں غائب ہو جائیں گی اور توانائی ہر جگہ خود بخود رسائی حاصل کر لے گی۔ سڑکوں اور گھروں میں جابجا روبوٹس نظام کنٹرول کرتے نظر آئیں گے۔

7۔ انسان کا شعور پانچ سو گنا بڑھ جائے گا۔ انسانی جسم جینیٹکس کی کوڈنگ کے ذریعے تمام بیماریوں پر قابو پالے گا اور ہزار سالہ زندگی میں بھی بیماری پر نہیں مار سکے گی۔

8۔ انسانوں کے درمیان ڈیجیٹل تعلقات قائم ہو جائیں گے حتیٰ کہ جذبات اور دیگر آسودگیاں خود بخود محسوسات میں آکر انسان کو مطمئن کر دیا کریں گے۔

9۔ ٹرانسپورٹ سسٹم کیپسولز کی شکل اختیار کر لے گا لہٰذا مقامی، ملکی، غیر ملکی حتیٰ کہ دوسرے سیاروں اور سمندروں کی گہرائی تک سیکنڈز کا کھیل بن جائے گا۔

10۔ آج کے وقت تک کے تمام سائنس فکشن حقیقت بن جائیں گے۔ تمام قسم کے نقصان دہ خطرات کی شیلڈز تیار ہو جائیں گی اور انسان تو انسان، درخت، جانور بلکہ ہر فائدہ مند جسم تباہی سے محفوظ رہ کر تسلسل میں کام کرتا رہے گا۔

11۔ ماحولیات کی تباہی اور دیگر ٹوٹ پھوٹ مکمل طور پر قابو میں آجائے گی مثلاً تمام سیلاب، زلزلے اور طوفان وغیرہ نہیں آسکیں گے۔

12۔ انسان و دیگر جانداروں سمیت ہر چیز حقیقی سے مصنوعی بن جائے گی بلکہ ہمارے ذہن اور سوچ بھی اسی کے ساتھ منطبق ہو جائے گی۔ تھری ڈی چشمے ایسی چیزیں بھی دکھادیں گے جو ننگی آنکھ سے نظر آنا ممکن نہیں۔ انسان ایک ایسی جنت میں رہنا شروع کر دے گا کہ جہاں ہر طرح کی آسودگی ہی آسودگی ہو گی۔ یعنی بالفاظ دیگر پوری دنیا ایک ایسی جنت کا نظارہ پیش کرے گی جس کا تصور بھی انسان نے پہلے نہ کیا ہو گا۔

13۔ زمین کو بیرونی حملوں سے نا صرف محفوظ کر دیا جائے گا بلکہ خطرات کو پیشگی محسوس کر کے اس کے ساتھ درستگی کا نظام منسلک ہو جائے گا۔

14۔ تہذیب ٹائپ ون کے دور میں واحد عالمی حکومت وجود میں آجائے گی جو پورے نظام کو کنٹرول کر رہی ہو گی مثلاً بنک، کریڈٹ سسٹم اور کرنسی سے لے کر دفاع اور معیشت تک اس مشینی حکومت کے کنٹرول میں ہو گا۔

15۔ زمین کا ایک نیا ایکو سسٹم وجود میں آجائے گا جس میں انسان ماحول کو نقصان نہیں پہنچا پائے گا۔ زمین پر سے زندگی ختم ہونے کا خطرہ نہیں رہے گا۔ سمندر آلودگی سے مکمل صاف ہو جائیں گے اور موجودہ دنیا کو درپیش ماحولیاتی چیلنج مکمل طور پر قابو میں آجائے گا۔

نتیجہ: ایک ایسا نیا جہان وجود میں آجائے گا جیسا قرآن کریم میں جنت بارے بیان کیا گیا ہے۔

زندگی کا مقصد کیا ہے؟

کالم میٹھا سچ 868 از ڈاکٹر سلطان محمود

لاہور، 10 جون 2024ء

ارشد مرشد

زندگی کا مقصد کیا ہے؟

یہ زندگی کے مقاصد کا شور برپا کرنا ہماری ذہانت کا پیدا کردہ مفروضہ ہے ورنہ دوسری مخلوقات کی طرح انسانی سپیشز بھی ایک خودکار بیالوجیکل عمل کے نتیجے میں وجود میں آ گیا تھا۔ بالکل ویسے ہی جیسے غیر زندہ شعاؤں کی روشنی، گیسوں، حرارت اور دباؤ کے ملنے سے پہلا دھماکہ ہوا اور پہلا امائنو ایسڈ بن گیا جو کہ پہلا زندہ مادہ بھی تسلیم کر لیا گیا۔ اس امائنو ایسڈ کی وجہ سے چونکہ انسان کا دماغ بہتر انداز اور ساخت پا گیا اس لئے اس نے خود ہی اپنے آپ کو higher species میں شمار کرنا شروع کر دیا۔ اس دماغ کی کلی و تحقیقی عادت ہے کہ شروع دن سے پہلے سوال گھڑتا ہے اور پھر خوب مباحثے کے بعد جواب پا کر اسے علم کہتا ہے۔ نئی نئی موشگافیاں اس انسان کا پرانا مشغلہ ہے۔ حضرت انسان چالاک اتنا ہے کی اپنی کمزوریوں اور کوتاہیوں کا کسی اور کو ذمہ دار ٹھہرانے کی خاطر باقاعدہ خدا ایجاد کر چکا ہے۔ اور اس سے آگے کی کہانی ہم سب جانتے ہیں۔

برائے افضل ملک

سر میری اور آپ کی رائے میں جو فرق ہے وہ بالکل بنیادی نوعیت کا ہے۔ آپ نے لفظ قدرت استعمال کر کے اسی خدا کی جانب اشارہ کر دیا ہے جسے خود انسان نے اپنی نفسیاتی تسکین کے لئے ایجاد کیا ہوا ہے۔ جبکہ میرے خیال میں یہ ایک خود کار بیالوجیکل عمل ہے۔ اور اس پر گورننگ فیکٹرز متعدد کیمیکلز ہیں جنہیں ہم پروٹینز کی جزویات یا اما ئنو ایسڈ ز کہتے ہیں نیز ان اما ئنو ایسڈز کی توڑ پھوڑ اور دوبارہ نئی شکل میں ڈھلنے یا recombination کا عمل تب ہوتا ہے جب ہمارے کروموسومز پر بیٹھے جینز کی relocation یا ردوبدل ہو رہا ہوتا ہے۔

جین ایک یونٹ کریکٹر ہے جو ایک انسان میں کھربوں ہوتے ہیں اور ان میں سے ایک کی مثال آنکھ کے کورنیا کا رنگ ہے۔ یہ جینز ہر کروموسومز میں لاکھوں کی تعداد میں ہوتے ہیں اور ایک آنے والے انسان، بلکہ حیوان اور نباتات میں بھی، اسی وقت فکس ہو جاتے ہیں جب نر اور مادہ کا پہلا ملاپ ہوتا ہے۔ پھر اس لمحے سے لے کر آخری سانس تک انسان کے 46 میں سے 44 کروموسومز میں یہی عمل چلتا رہتا ہے اور یوں ہر جاندار لمحہ بہ لمحہ بدلتا رہتا ہے شکل میں عقل میں خیالات میں اور وراثت میں بھی۔ اسی سارے عمل میں اس پر اثر انداز ہونے والے عوامل میں وراثتی کوڈ، غذا، روشنی، درجہ حرارت اور فضائی دباؤ کے علاوہ دوسروں کا برتاؤ بھی شامل حال رہتا ہے۔ وما علی البلاغ۔

پرانا کالم

کالم میٹھا سچ 869 از ڈاکٹر سلطان محمود

لاہور، 18 جون 2024ء

صدیوں سے انسان کے دماغ میں کچھ ایسے سوالات جنم لیتے رہے ہیں جس کا حتمی جواب کہیں سے مل نہیں سکا۔ ایسے سوالات پر سہل پسند لوگ یہی کہہ کر دماغ کو استعمال نہیں کرتے کہ "اللہ جانے" لیکن سائنسدان اسے چیلنج سمجھ کر کھوج میں لگ جاتے ہیں۔

مندرجہ ذیل سوالات پر سائنسدان ابھی تک سر پٹخ رہے ہیں مگر قابل تحقیق جواب نہیں مل رہا۔

مثلاً

1۔ مرغی پہلے آئی کہ انڈا؟

2۔ شعور کی نیچر کیا ہے؟

3۔ زمین پر زندگی کیسے وجود میں آئی؟

یعنی ایک سادہ مالیکیول سے اتنے الجھاؤ والے جانور اور انسان کیسے بنے؟

4 ۔ کائنات کی اکثریت پر مشتمل سیاہ مادہ اور سیاہ توانائی کیا چیزیں ہیں؟

5۔ کیا کائنات میں ہم اکیلے انسان ہیں؟

6۔ طبعی دماغ میں غیر طبعی خیال اور جذبہ کیسے پیدا ہوتا ہے؟

7۔ وقت کی درست نیچر کیا ہے؟

8۔ آخر یہ کائنات کب تک چلے گی؟

9۔ جب قیامت آجائے گی تو ساری کائنات میں آئے گی یا محض انسان پر ہی آئے گی؟

10۔ جب وقت کی گنتی ختم ہو گی تو اس سے آگے وقت کیسے کٹے گا یا کیسے گنا جائے گا؟

11۔ اگر ہم اللہ کی حاکمیت مطلق پر یقین رکھتے ہیں تو اللہ خود کیسے بنا؟

12۔ کیا واقعی خواہشات دل میں پیدا ہوتی ہیں یا دل بھی معدے و جگر جیسا ایک پرزہ ہی ہے اور یہ اس کا کام نہیں۔

آپ بھی سوچنے اور جواب ڈھونڈنے کی کوشش کریں تاکہ اندازہ ہو کہ آپ اگر سائنسدان نہیں بھی ہیں تو پھر بھی دماغ استعمال کرنا پسند کرتے ہیں کہ نہیں۔

ہمارے پاس ان سب سوالوں کے منطقی یعنی سائنسی جوابات موجود ہیں کیونکہ منطق ہی نے سائنس کو جنم دیا ہے۔ لیکن ایسے دوست جو دماغ کو محض سات آٹھ فیصد ہی استعمال کر پاتے ہیں شاید نیوٹن کی طرح گیارہ فیصد استعمال پر اتر آئیں اور دنیا میں علمی انقلاب برپا ہو جائے۔

ڈاکٹر سلطان محمود

کیا قربانی مذہبی فریضہ ہے؟

کالم میٹھا سچ 870 از ڈاکٹر سلطان محمود

لاہور، 19 جون 2024ء

ہمارے کمزور ایمان اوپر سے ہندووانہ رسوم کے دباؤ نیز فرقہ ورانہ تقسیم مگر سب سے بڑھ کر کاروباری ہوس، کھالوں سے آمدن اور دکھاوے نے مل جل کر سنت ابراہیمی والی قربانی کا حلیہ بگاڑ کے رکھ دیا ہے۔ قربانی سے پہلے غریبوں کو ترسانا اور بعد میں دھتکارنا ہم بچپن سے دیکھتے آئے ہیں۔ زیادہ بہتر تو یہ ہوتا کہ ایک کمرشل رواج کو مذہبی تہوار بنانے کی بجائے تین روزہ تجارتی میلے کا کہہ کر یہی سب کچھ کرتے تو سنت ابراہیمی یوں منافقانہ انداز میں مذہبی فرائض میں شامل نہ ہو جاتی۔

بدقسمتی سے قربانی کو مذہبی فریضہ بنا دیا گیا ہے جو کہ حقیقت میں ایک تجارتی میلہ ہے جس میں تعلی، شیخی، اور بچوں کا کھیل کود شامل ہے۔ ہم مانتے ہیں کہ عالم اسباب میں کمرشل ازم اور تجارتی منڈیوں کا چلنا تو ایک فطری امر ہے جیسے کہ حج کے معاشی پہلوؤں سے کسے انکار ہے اور سورہ قریش میں تو رب نے قسم کھا کر اہل قریش کو بھوک اور خوف سے نجات کا وعدہ کر لیا تھا لیکن سوال یہ ہے کہ مساجد کس چکر میں اس رسم کو مذہبی رنگ دے دیتی ہیں؟

میرے اس خیال کی تصدیق ملحقہ پوسٹ سے بھی ہو رہی ہے کہ عرب معاشرے میں قربانی کا تصور کیا ہے۔

آدھی صدی کا قصہ ہے ایک دو برس کی بات نہیں

کالم میٹھا سچ 871 از ڈاکٹر سلطان محمود

لاہور، 30 جون 2024ء

اپنے باون برس پرانے ہم جماعت اور آج تک مسلسل رابطے میں رہنے والے دوست نجیب اللہ طارق سے پچھلے دنوں بات ہو رہی تھی تو لگے تعریفوں کے پل باندھنے۔ ہم نے ہاتھ جوڑ کر عرض کیا کہ اصل معاملات تو اللہ جانتا ہے کہ ہم کتنے پانی میں ہیں لیکن بحیثیت علامہ اور نفسیات دان آپ سے مجھے یہ امید ہے کہ مجھے میری خامیوں سے آگاہ کریں تا کہ بقول حضرت علی اصل دوستی کا مزہ آئے۔ طارق نے کمال شفقت سے وقت نکالا اور مندرجہ ذیل نوٹ لکھ بھیجا۔ گو کہ بعض مندرجات سے مجھے اتفاق نہیں لیکن ایمانداری سے من و عن پیش خدمت ہے۔ فرماتے ہیں:

ڈاکٹر سلطان محمود آپ بے حد خود اعتماد ہیں اور اللہ کے ساتھ ساتھ خود پر بے پناہ یقین رکھتے ہیں۔ اس لئے آپ مشکلوں سے لڑنا اور حالات کو مشکل سے نکال کر بہتری کی طرف لانا بہتر جانتے ہیں۔ آپ کی سب سے بڑی طاقت آپ کی سچائی ہے مگر خرابی یہ ہے کہ صاف اور سچا دل رکھنے کے باعث دوسروں کو بھی اپنے جیسا سمجھ بیٹھتے ہیں لہٰذا خود غرض اور مطلب پرست لوگوں کی پہچان نہیں رکھ پاتے اور اکثر دوسروں کے ہاتھوں بیوقوف بن جاتے ہیں۔ اس میں آپ کی جڑواں خصوصیت سخاوت کی عادت کا بھی خاصہ دخل ہے جو زیادہ تر آپ کو نقصان پہنچاتی ہے۔ وجہ یہ ہے کہ آپ دوسروں کو مشکل میں دیکھ کر ان کی مدد سے اپنے آپ کو باز نہیں رکھ سکتے۔

آپ اپنی پسند ناپسند کے شدید پجاری ہیں یہی وجہ ہے کہ آپ جلد ہی اپنے قریب کے لوگوں سے بدگمان بھی ہو جاتے ہیں کیونکہ آپ دوسروں کو بھی اپنی ذہانت، فطانت اور کامن سینس کے پیمانوں پر ناپتے رہتے ہیں۔ اپنی اس فطرت کے باعث اپنوں کی ناپسندیدہ حرکات کو بھی معاف نہیں کرتے نیز خود غرض ساتھیوں کی میٹھی زبان کی وجہ سے کسی بات کو پسند کر کے دھوکہ کھا جاتے ہیں۔

آپ اپنے قول و فعل میں تضاد برداشت نہ کرنے کے باعث اگر کبھی جذبات میں آکر منہ سے کچھ کہہ بیٹھتے ہیں تو پھر اسے پرکھے بنا نباہنے میں مزید نقصان کروا بیٹھتے ہیں۔

آپ صرف پسندیدہ کھانے پینے کے زیادہ شوقین ہیں لیکن درویشی اتنی زیادہ ہے کہ کبھی اگلے کھانے کی فکر نہیں کرتے۔ اچھا لباس پہننے کا شوق آپ کی کمزوری ہے مگر اتفاق سے آپ مغربی لباس کو ہی اچھا سمجھتے ہیں لہٰذا تمام زندگی قومی یا اسلامی لباس کے قریب بھی نہیں پھٹکے۔

آپ کی آنکھوں اور الفاظ کی کشش سے مغلوب ہو کر لوگ آپ کی طرف خود بخود کھنچے چلے آتے ہیں اور دوستی کرنا نیز بات کرنا پسند کرتے ہیں۔ لیکن لمبے عرصے تک آپ سے جڑے نہیں رہ سکتے کیونکہ آپ کے اندر دوسروں کو برداشت کرنے کا مادہ بے حد محدود ہے۔ جب آپ کسی کو زیر تنقید لاتے ہیں تو مخالف خوفزدہ ہو جاتا ہے کیونکہ آپ کی یادداشت پر مبنی دلائل اس قدر مضبوط، سچے اور ناقابل تردید ہوتے ہیں کہ مخالف ہمیشہ آپ کی ٹیبل ٹاک سے ڈرتے ہیں۔ اسی خرابی کے باعث وقت گزرنے کے ساتھ آپ تنہا ہوتے چلے گئے ہیں۔ آپ کے ساتھ وہی لمبا تعلق بنا پاتا ہے جو مسلسل ساتھ نہ رہتا ہو اور بہت زیادہ قریب بھی نہ ہو یعنی میرے جیسا۔

آپ پاکستان کے معدودے چند اکابرین جیسے اعلیٰ تعلیم یافتہ شخص ہیں جو شاید ملک بھر میں درجنوں میں بھی نہ ہوں۔ بعض اوقات آپ مخاطب کو زچ کرنے کی خاطر عمداً جاہلانہ بات کرنا چاہیں یا فیصل

آبادی ٹچ دے کر تمسخرانہ پیچ و خم سے طنزیہ رویہ اختیار کر لیں تو الگ بات ہے لیکن عمومی گفتگو چاہے علمی نہ بھی ہو مگر ایک انجان سا شخص بھی آپ کی علمی قابلیت بھانپ لیتا ہے۔ اس صفت کے فوائد یہ ہیں کہ آپ کے غلط دعوؤں کو بھی دنیا تسلیم کرنے پر مجبور نظر آتی ہے لیکن آپ ہمیشہ ذاتی دعوؤں میں مبالغہ کم ہی کرتے ہیں اور اپنی ذات کی طرح دنیا سے بھی دھوکہ دہی پسند نہیں کرتے۔ جب مجھے پروفیسر ارشد مرحوم کے ذریعے پتا چلا کہ آپ تین عدد غیر ملکی پوسٹ ڈاکٹریٹ کی اسناد کے حامل بھی ہیں نیز چار درجن کتب کے مصنف بھی تو مجھے یہ حقائق تسلیم کرنے میں ایک لمحہ بھی نہیں لگا لیکن حیرت اس بات پر ہوئی کہ ان باتوں کا آپ کی زبان سے کبھی نہیں سنا۔ مجھے مزید حیرت یہ جان کر ہوئی کہ آپ نے افزائش حیوانات سے انسانی غذا و صحت اور پھر اس سے بھی آگے ماحولیات کے مضامین میں ہر جگہ کیسے کمال حاصل کر لیا اور دیکھتے ہی دیکھتے ان شعبوں کے صف اول میں شمار ہونے لگ گئے۔

مجھے پچھلے دنوں زرعی یونیورسٹی جانے کا اتفاق ہوا اور یہ جان کر حیرت ہوئی کہ چوالیس سال قبل آپ کے ہاتھوں رکھی گئی بنیاد والی سوسائٹی آف اینیمل سائنسز آج بھی زندہ و تابندہ ہے۔ نیز تینتیس برس سے آپ فیملی فزیشنز کے گروڈاکٹر بشیر مرحوم کے شفیق ہاتھوں سے پاکستان اکیڈیمی آف فیملی فزیشنز میں شامل ہو کر آج بھی ان کی ایگزیکٹو کونسل میں ہیں نیز سات برس قبل آپ نے ماحولیاتی مشیران کی پروفیشنل تنظیم ECAP کی بنیاد رکھ کر اکیلے ہی اسے کیسے زندہ رکھا ہوا ہے؟ یہ سبھی کامیابیاں حیران کن ہیں لیکن میں جانتا ہوں کہ آپ جیسے 162 آئی کیو والے پروفیشنل کے لئے یہ سبھی کچھ بالکل ممکن ہے خصوصاً ایسے شخص کے لیے جو چالیس برس سے دوستوں رشتہ داروں سے سنیاس لے چکا ہو اور اب صرف قومی خدمت ہی کرتا ہو۔

آپ کے سچے تجزیات کی بنا پر آپ خود اکثر اوقات اپنی ذات کو بھی ہدف بنا جاتے ہیں لہٰذا چالاک مخالفین آپ کی بہت ساری خرابیوں کی آگاہی آپ کے الفاظ سے کشید کر لیتے ہیں۔ اپنے قریب ترین لوگوں کو اسی عادت کے باعث دور کر بیٹھتے ہیں اور بیشمار پریشانیاں بھی اٹھاتے رہنے کے باوجود منافقت سے کام لینا کسی صورت گوارہ نہیں کرتے۔ مجھے آپ کا پینتالیس برس قبل فیصل آباد کے ایک مشاعرے میں کہا گیا ایک شعر آج بھی یاد ہے اور جس کی آپ ہو بہو تصویر بھی ہیں کہ:

وہی کرو جو دل میں آئے۔۔۔

چاہے اپنے بنیں پرائے۔۔۔!!

آپ ہمیشہ سفر میں بھی رہتے ہیں اور ہر وقت اندرون ملک چھوٹے موٹے سفر نیز عالمی سفر سے بھی جڑے رہتے ہیں۔ آپ کی پیشہ ورانہ پروفائل دیکھ کر اس حقیقت کو جان لینا نہایت آسان ہے کہ دو درجن ممالک کے سینکڑوں شہروں میں کام یا سیاحت نے آپ کے تجربے کو ناقابل استرداد بنا دیا ہے۔ خصوصاً ہم پچھلے پندرہ برس سے یہ سوشل میڈیا پر بھی دیکھتے آئے ہیں کہ انجان بھی آپ کا ادب کرنے پر مجبور ہوتے چلے گئے۔

آپ کا قد اور آنکھیں بہت پیاری ہیں۔ آنکھوں سے بے پناہ ذہانت ٹپکتی ہے۔ آواز بہت متوجہ کرنے والی ہے نیز علم سے بھری گفتگو سے لوگ آپ کی جانب متوجہ رہنے کی وجہ سے اکثر محفلوں میں ہوئے ان ناپسندیدہ واقعات کا بھی آپ کو ذمہ دار قرار دے دیتے ہیں جو آپ نے کہی بھی نہیں ہوتیں۔ آپ کو بچپن میں بڑا، جوانی میں ادھیڑ عمر لیکن ادھیڑ عمری اور بڑھاپے میں جوان سمجھا جاتا

رہا جس کی زیادہ تر وجہ نوجوانی میں گنجے پن کا شکار ہو جانا تھا مگر بعد کی زندگی میں قابل رشک صحت اور مثبت خیالی کے ساتھ ساتھ بے پرواہی اس کا باعث بنی۔

آپ کی سب سے بڑی کمزوری آپ کی زبان ہے جس کی وجہ سے آپ اپنے دشمن پالتے ہیں اور اسی وجہ سے لوگ آپ سے حسد بھی کرتے ہیں بلکہ بعض اوقات دشمنی تک کا سامنا بھی کرنا پڑ سکتا ہے۔ آپ خود پسند اور زبان کے کڑوے ہیں نیز دوسروں کے لئے کچھ کر کے احسان جتانا بھی ضروری سمجھتے ہیں۔ جیسے جیسے وقت گزرا ہے تو آپ میں انا پرستی بھی خاصی گہری ہو گئی ہے جس نے آپ کے قریبی رشتوں کو ڈس لیا ہے۔ اس کی زیادہ تر وجوہات میں آپ کی روایتی درویشی کے ساتھ ساتھ یہ احساس بھی ہے کہ آپ کو کسی کی محتاجی کی ضرورت نہیں۔ آپ کی مستحکم مالی حیثیت نے آپ کو زیادہ بے پرواہ کر دیا ہے۔

اپنی پرکشش شخصیت، مثبت سوچ اور تجربہ ہر مبنی تجزیات اور ضرب الامثال کی وجہ سے آپ بہت دیر تک یاد رکھے جاتے ہیں اور آپ اس کے حقدار بھی ہیں لیکن وہ لوگ پیٹھ پیچھے آپ کو معاف نہیں کر پاتے خصوصاً آپ کی وجہ سے جن کی انا کو ٹھیس پہنچی ہوتی ہے۔ اس کے پیچھے بھی زبان درازی کا عنصر نمایاں ہے۔ اگر آپ اپنے اندر اپنے ہمعصر ساتھیوں و قومی رہنماؤں کے بارے منفی مگر حقیقی خیالات کا برملا اظہار نہ کرتے ہوتے تو آپ ایک پروقار رہنماء کے طور پر جانے جاتے لیکن آپ کی اس خصوصیت کو سب سے زیادہ ٹھیس آپ کی صاف گوئی، گہرے اور بے باک تجزیات اور عدم منافقت نے پہنچائی ہے۔

جو لوگ آپ کے ساتھ رہتے ہیں انہیں مفت مشورہ ہے کہ آپ جیسے انسان کو کھونہ دیں اس لئے کوشش کریں کہ آپ سے پیار سے اپنے کام یا بات منوایا کریں کیونکہ آپ پیار میں مال اور وقت بھی دینے کے لیے تیار رہتے ہیں مگر غصے سے کوئی بات بھی تسلیم نہیں کرتے۔

اگر ان نشانیوں میں پائے جانے والے بچگانہ نقائص کو نظر انداز کر بھی دیا جائے اور میں آنکھیں بند کر کے یہ سب نشانیاں مان بھی لوں تب بھی میں چالیس فیصد ہی دل کی مان پاتا ہوں لہٰذا ساٹھ فیصد فیصلوں میں پھر بھی میرا دماغ ہی حاوی رہتا ہے۔ استاد محترم علامہ اقبال کم از کم مجھے تو یہ سبق دے گئے ہیں کہ نوے فیصد فیصلوں پر عقل حاوی رہنی چاہئے۔ ان کی تعلیمات کے لحاظ سے میں ابھی بھی جذباتی ہی ٹھہرایا جاؤں گا۔

اچھا ہے دل کے پاس رہے پاسبان عقل۔۔۔
لیکن کبھی کبھی اسے تنہا بھی چھوڑ دے۔۔۔!!

10 نشانیاں جو بتاتی ہیں کہ آپ متعین حد سے زیادہ جذباتی ہیں:

1: آپ کسی کو "نہیں" کہنے کی ہمت نہیں کر پاتے، ہر انسان سے حد سے زیادہ محبت رکھتے ہیں۔

2: جب آپ تنہا ہوتے ہیں تو رونا آپ کا مشغلہ بن جاتا ہے اور آپ یہ بات دوسروں کو محض اس لئے نہیں بتاتے کہ وہ آپ کے متعلق کیا سوچیں گے۔

3: آپ لوگوں کے متعلق بہت جلدی یہ رائے قائم کرتے ہیں کہ "ہر کوئی آپ کا بہترین دوست ہے"۔ آپ ہر ملنے والے شخص کی مدد کرنے کو ترجیح دیتے ہیں۔

4: آپ ہر انسان کے ساتھ مہربان بنتے ہیں، اس سوچ کے ساتھ کہ وہ بھی آپ کے ساتھ مہربانی والا رویہ رکھیں گے۔

5: آپ نہیں سمجھ سکتے کہ دوسرے آپ سے فائدہ حاصل کرنے کے لئے آپ کو استعمال کر رہے ہیں کیونکہ آپ دوسروں کے ساتھ ایسا نہیں کرتے۔

6: آپ کبھی بھی دانستہ طور پر کسی کو تکلیف نہیں پہنچاتے کیونکہ آپ کا دل احساس سے لبریز ہوتا ہے۔

7: آپ اتنے حساس ہوتے ہیں کہ لوگوں کے بولنے، ان کے آپ کے ساتھ بدلتے رویے کو دیکھتے ہیں لیکن بدلے میں انھیں کچھ نہیں کہتے کہ کہیں وہ آپ سے دور نہ ہو جائیں۔

8: آپ لوگوں کے ساتھ اس قدر گہرا تعلق بنا لیتے ہیں کہ ان کے غلط ہونے کے باوجود ان کے پاؤں پر کھڑے ہو کر انھیں سمجھنے کی کوشش کریں گے کہ شائد وہ ایسے نہ ہوں جیسا ہم سمجھ رہے ہیں۔

9: آپ کبھی بھی اپنے جذبات کا اظہار نہیں کر سکتے چاہے کتنے ہی ٹوٹے کیوں نہ ہوں۔

10: آپ مسائل کو فکس کرنے والے ہوتے ہیں، آپ لوگوں کو کھونے کے متحمل نہیں ہوتے اور اس کا نتیجہ پھر بھی یہ نکلتا ہے کہ آخر میں آپ تنہا رہ جاتے ہیں۔

یہ ہمارے بارر میں ایک پرانے رفیق کا تجزیہ ہے۔

پودوں کے سائنسی نام

کالم میٹھا سچ 872 از ڈاکٹر سلطان محمود

لاہور، 2 جولائی 2024ء

ہمارے دوست ڈاکٹر اشفاق احمد نے پودوں کے سائنسی نام یاد رکھنے کا ایک نادر نسخہ عطا فرمایا ہے جسے ہم نے اپنے ماحولیاتی گروپ، یوٹیوب چینل، فیس بک، وٹس ایپ اور اب کالم جیسے ہر ممکن طریقے سے آگے نشر کر دیا ہے تا کہ خصوصی طور پر طلباء کی مشکل آسان ہو جائے۔

نباتات اور زراعت کے میدان میں اکثر طلباء و طالبات پودوں کے سائنسی نام یاد نہیں کر پاتے جو کہ بہت بڑا مسلہ بن جاتا ہے جب انھیں ماہر زراعت اور ماہر نباتات کے نام سے پکارا جائے۔ حالانکہ ہر شعبے کے اپنے اپنے الفاظ ہوتے ہیں جنہیں یاد کرنا شعبے کے امیدواروں کا حق بنتا ہے۔ آج جس موضوع پہ ہم بات کر رہے ہیں کہ کیسے پودوں کے سائنسی ناموں کو ذہن نشین کریں۔ اگر دیکھا جائے تو بیشتر پودوں کو انکے خصوصیات یعنی Characters کے بنیاد پر سائنسی نام دیئے گئے ہیں۔

مثلاً :

(1) رنگوں کے بنیاد پر۔

1.1 = سفید رنگ (White colour)

لفظ Alba کا مطلب سفید رنگ جیسے کہ Rosa alba جسے white rose بھی کہتے ہیں، Ribes alba جسے white currant کہتے ہیں اور Morus alba جسے white mulberry کہتے ہیں یعنی توت سفید اور Nymphaea alba جسے Guli nilofar کہتے ہیں۔

1.2 = کالا رنگ (Black colour)

لفظ Nigrum کا مطلب کالا رنگ جیسے کہ Solanum nigrum جسے Night shade plant کہتے ہیں Morus nigra جسے توت سیاہ کہتے ہیں اور Sambucus nigra جسے Black elder کہتے ہیں، اور Poper nigrum جسے کالی مرچ کہتے ہیں، اور Ribes nigrum جسے black currant کہتے ہیں۔ اگر ان پانچوں پودوں کو دیکھا جائے تو ان کے پھل کالے رنگ کے ہیں، Brassica nigra جسے کالا سرسوں کہتے ہیں اور populist nigra جسے Nashtar کہتے ہیں۔

1.3 = سبز رنگ (Green colour)

لفظ Viridis کا مطلب سبز رنگ جیسے کہ Amaranthus viridis جسے Slender amaranth یا Green amaranth بھی کہتے ہیں Setaria veridis، Pcychotria veridis , Solanum verginium۔ اگر ان چاروں پودوں کو دیکھا جائے تو ان کے پورا inflorescence سبز رنگ کا ہے۔

1.4 = پیلا رنگ (Yellow colour)

لفظ Chrysanth کا مطلب ہے پیلا رنگ جیسے کہ Chrysanthemum indicum جسے Indian chrysanthemum بھی کہتے ہیں کیونکہ لفظ chrysanthemum اس لیئے دیا گیا ہے کہ اس پودے کے پھول پیلے رنگ کے ہیں اور indicum کا مطلب یہ پودا India سے پیدا

(originate)ہوا ہے۔ Chrysanthemum morifolium جسے Garden num بھی کہتے ہیں Chrysanthemum pasificum جسے sylver chrysanthemum کہتے ہیں Chrysanthemum kinokuniense اور chrysanthemum rupestre پودا، اگر ان چاروں پودوں کو دیکھا جائے تو ان کے پھل پیلے رنگ کے ہیں۔

1.5 = سرخ رنگ (Red colour)

لفظ Erythro اور Rubra کا مطلب سرخ ہیں جیسے کہ Erythroxylum coca اگر اس پودے کو دیکھا جائے تو اس پودے کے پتے سرخ رنگ کے ہیں، Plumarsia rubra اگر اس پودے کو دیکھا جائے تو اس کے پھول سرخ رنگ کے ہیں، Morus rubra جسے سرخ مرچ کہتے ہیں اور Ribes rubrum جسے red currant کہتے ہیں۔

1.6 = گولڈن رنگ (Golden colour)

لفظ Aurea کا مطلب گولڈن رنگ جیسے کہ Crocosmia aurea اگر اس پودے کو دیکھا جائے تو اس پودے کے پھول گولڈن رنگ کے ہیں اور Syngonium aurea اگر اس پودے کو دیکھا جائے تو اس پودے کے پتے بیشتر گولڈن رنگ کے ہیں۔

(2) اصل کی بنیادوں پر (On the bases of origin)۔

جیسے کہ،

Rosa indica (Indian fragrant rose)

Mangifera indica (Mango)

Cannabis indica (marijuana)

Azadirecta indica (Neem Tree)

Combretum indicum (Rangoon creeper)

Abutilon indicum (Indian mallow)

Tamarandus indica (Tamarind)

Dillenia indica (Gule mast)

یہ سارے پودے India سے پیدا (originate) ہوئے ہیں۔

Ficus bengalensis (Fig plant)

Saccharum bengalensis (baruwa sugarcane or baruwa grass)

یہ دونوں پودا بنگلادیش سے پیدا ہوا ہے۔

Conyza Canadensis (Horseweed)

یہ پودا کینیڈا سے پیدا ہوا ہے۔

Patanus orientalis (Chinar)

یہ پودا Eastern world سے پیدا ہوا ہے کیونکہ لفظ orientalis کا مطلب Eastern۔

Cassia Occidentalis

Anacardium Occidentale (Cashew tree)

یہ دونوں پودے Western world سے پیدا ہوا ہے کیونکہ لفظ Occidentalis کا مطلب Western۔

Eriobotrya japanica(Loquat)

Ficus japonica (Paperplant)

یہ پودا جاپان سے پیدا ہوا ہے۔

Iris kashmiriana (Baker Plant)

یہ پودا کشمیر سے پیدا ہوا ہے۔

Berberis Balochistanica (Balochi: zarch)

یہ پودا بلوچستان سے پیدا ہوا ہے۔

Luffa aegyptiaca (Egyptian cocumber)

Salvia aegyptiaca (the Egyptian sage)

یہ پودا مصر سے پیدا ہوا ہے۔

Centella asiaatica(Indian Pennywort)

یہ پودا ایشیا سے پیدا ہوا ہے۔

Acacia Arabica (Gum arabic tree)

Fagonia Arabica (Dhamasa)

یہ دونوں پودے عرب ممالک سے پیدا ہوئے ہیں۔

Malcolmia African (African mustard)

یہ پودا افریقہ سے پیدا ہوا ہے۔

Olea European(European olive)

یہ پودا یورپ سے پیدا ہوا ہے۔

Murraya exotica (Orange Jessamine)

یہ پودا علاقے سے باہر پیدا ہوا ہے۔

Persea americana (Avocado)

Agave Americana (zargeya)

یہ پودا امریکہ سے پیدا ہوا ہے۔

(3) حالت (Habit) یا life form کی بنیاد پر۔

جیسے کہ،

لفظ Gigantic کا مطلب بڑا (Bigger) مثلاً Calotropis gigantia جسے آک کا پودا کہتے ہیں۔

لفظ annus کا مطلب سالانہ (annual) مثلاً Helianthus annus جسے سورج پھول کہتے ہیں اور capsicum annum جسے مرچ کہتے ہیں۔

لفظ prostrate کا مطلب رینگنے والا یعنی creeper مثلاً Euphorbia prostata اگر اس پودے کو دیکھا جائے تو یہ زمین پر پھیلا ہوا ہے۔

لفظ scandix کا مطلب چھڑنے والا مثلاً

Scandix pectin-veneris

لفظ Nocturnum کا مطلب رات مثلاً Cestrum Nocturnum جسے رات کی رانی کہتے ہیں۔

لفظ Diurnum کا مطلب دن مثلاً Cestrum Diurnum

جسے دن کا راجہ پودا بھی کہتے ہیں۔

لفظ Erect کا مطلب سیدھا یعنی upright مثلاً Boerhavia erecta۔

(4)جائے اگنے یعنی Habitat کی بنیاد پر۔

جیسے کہ،

لفظ Terrestris کا مطلب خشکی یعنی land ecosystem مثلاً Tribulus terrestris۔

لفظ Aquatic کا مطلب آبی مثلاً Veronica aquatica۔

لفظ Alpinus کا مطلب پہاڑوں سے متعلق یعنی higher attitude مثلاً Aster alpinus۔

(5)اگنے کا طریقے یعنی Mode of cultivation۔

جیسے کہ،

لفظ sativa کا مطلب cultivated پودا مثلاً،

Oryza sativa (Rice)

Avena sativa (oat)

Triticum aestivum (wheat)

Raphanus sativus (Radish)

Lactuca sativus (lettuce)

Possum sativa (pea)

Coriandrum sativum (coriander)

Cucumis sativus (cucumber)

Allium sativum (garlic)

Cannabis sativa (Shari bang)

Eruca sativa (sharshum)

(6)استعمال کرنے کے بنیاد پر(utillization)۔

جیسے کہ،

لفظ edulisاور esculentumکا مطلب خوردنی یعنی جس کو کھا سکیں مثلاً،

Passiflora edulis (passion fruit)

Caralluma edulis (Apotak)

Abelmoschus esculentum (lady finger)

Lycopersicum esculentum (tomato)

لفظ Deliciosa کا مطلب Deliciousیعنی مزے دار مثلاً،

Monstera deliciosa (swiss cheese plant)

Actinida deliciousa (kiwi)

لفظ spinosa کا مطلب spinesیعنی کانٹے دار مثلاً،

Capparis spinosa (caper bush)

Prunus spinosa (Blackthorn)

لفظ Armatum کا مطلب Aromaیعنی خوشبو یا مہک مثلاً،

Zanthoxylum Armatum (Prickly Ash)

Zyzgium aromaticum (kalampor)

(6)شکلیات کے بنیاد پر یعنی(Morphology)۔

جیسے کہ،

لفظ Microphylla کا مطلب چھوٹے پتے مثلاً،

Ficus Microphylla

لفظ Macrophylla کا مطلب بڑے پتے مثلاً،

Ficus macrophylla (Moreton Bay fig or Australian banyan)

لفظ Dentata کا مطلب toothed margin leave مثلاً،

Alternanthera Dentata (Little Ruby)

لفظ sessile کا مطلب without petiolate یعنی وہ پتے جس میں petiol نہ ہو مثلاً،

Alternanthera sessilis(Sessile Joyweed)

لفظ officinale کا مطلب herbalist یعنی طبی نقطہ مثلاً،

Taraxicum officinale(common dandelion)

Salvia officinalis (Sage)

ان نقطات کو ذہن نشین کرنے سے طالب علموں کو پودوں کے سائنسی نام یاد رکھنے میں اور ان کی پہچان کرنے میں خاصی آسانی ہو گی اور ان کو نام تا عمر یاد رہیں گے۔

دیسی ولایتی

کالم میٹھا سچ 873 از ڈاکٹر سلطان محمود

لاہور، 2 جولائی 2024ء

درجنوں دفعہ وضاحت کر چکا ہوں کہ یہ بات کہ دیسی مرغی میں ولایتی مرغی سے زیادہ طاقت ہوتی ہے سو فیصد غلط اور غیر سائنسی ہے جسے دیسی مرغی کے ذائقے کے خوگر کسی دیہاتی نے گھڑ رکھی ہے اسے لوگ بغیر تحقیق آگے پھیلاتے چلے جانے کے باعث جھوٹ اور کذب کے مرتکب ہو چکے ہیں۔ بد قسمتی سے ہمارے دیہاتی بھائی شہروں میں آ کر بس تو گئے ہیں لیکن ویسے ہی اپنی عادتیں نہیں بدل پائے جیسے برصغیر کے مسلمان ہندو اور سکھ سے مسلمان تو بن گئے لیکن دور جہالت کے رسم و رواج کو آج بھی سینے سے لگائے بیٹھے ہیں۔

سو فیصد جھوٹ اور بکواس ہے۔ اس کو مت پھیلائیں کیونکہ اس میں ذرا بھی سائنس اور بیالوجی نہیں۔

حضور ولایتی انڈے کی غذائیت بارے اپنی معلومات درست کر لیں۔ آپ جو سمجھ رہے کہ دیسی انڈے میں غذائیت زیادہ ہے قطعاً درست نہیں۔ میں اپنے ایم ایس سی کے مقالے (1984ء) میں ثابت کر چکا ہوں کہ ایک ولائتی انڈا دیسی انڈے سے 3.5 گنا زائد قدر رکھتا ہے۔ اس تقابل میں سال بھر میں مرغی کے انڈوں کی اوسط، انڈے کا وزن، جسامت، قیمت، ذائقہ اور غذائی اجزاء جیسے چھ تغیرات variables چنے گئے تھے۔ میں نے اپنی تحقیق اخبارات میں بھی چھپوائی تھی جن کے تراشے میرے پاس اب بھی محفوظ ہیں۔

آپ درست فرمارہے ہے صرف ذائقے کا معمولی فرق ہو سکتا ہے باقی سب کچھ ایک جیسا ہے ابھی ایک بات چل رہی کہ کیج اور فری رینج کیج کی انڈے نالیں کیونکہ یہ مرغیوں کے ساتھ زیادتی ہے ابھی انگلینڈ میں کیج والے فارم پر پابندی لگا رہے ہیں سارے فری رینج کے انڈے ملینگے 2025 کے بعد۔

دعا اور بد دعا

کالم میٹھا سچ 874 از ڈاکٹر سلطان محمود

لاہور، 2 جولائی 2024ء

روحانیات ایک ایسا مضمون ہے جس میں زندگی میں پیش آنے والے مختلف واقعات کی منطقی یا سائنسی وجوہات جانے بغیر انہیں اپنے عقیدے کے مطابق آپس میں جوڑ لیا جاتا ہے۔ دیکھ سن کر بھی تہہ تک نہ پہنچ سکنے والے غیر سائنسی ذہن ایسی باتوں سے اپنے ان عقائد کو مضبوط یا کمزور کرتے رہتے ہیں جہاں دماغ استعمال کرنے کو دل نہ چاہتا ہو۔ یہ ایسے ہی ہے جیسے اہل عقیدہ پتہ پتہ ہلنے کو بھی اللہ کے ساتھ جوڑ دیتے ہیں اور رب کے انکاری کہیں اور کی بنسی بجاتے نظر آتے ہیں۔ ہست و نیست کی اس دائمی جنگ کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ انسان مر کر مٹی ہونے کے بعد دوبارہ اس جہان میں نہیں آ سکتا لہٰذا بیشمار اقسام کے پول ازل سے ہی کھل چکے ہوتے اور لمبے چوڑے روحانی مخمصے معرض وجود ہی میں نہ آتے۔

محترم پروفیسر ساجد صاحب ایک دانا اور بے حد پڑھے لکھے انسان ہیں مگر ضروری نہیں کہ ان کے فلسفہء روحانیت میں کہیں علم ماحولیات کا بھی دخل ہو یا کم از کم بنیادی سائنس اور کامن سینس بھی انہوں نے حوالہء روحانیت کر دی ہے۔ مثلاً بنیادی سوالات یہ ہیں کہ مہاجر پرندے اپنے ساتھ دور دور کے براعظموں کی بیماریاں بھی ٹرانسفر کرتے ہیں، دوم وہ جب کم ٹھنڈے علاقوں میں وقت گزارنے آتے ہیں تو ان کے دماغ میں موت سے بچنے کے لئے درجہ حرارت کے ساتھ ساتھ خوراک کا پہلو بھی ہوتا ہے وہ ہماری پھینکی گئی خوراک کی امید پر تو ہزاروں میل کا سفر طے نہیں کرتے۔

پرندوں کے علاوہ اور بھی مخلوقات ہیں مثلاً فرشتوں اور جنوں کو چھوڑ بھی دیا جائے تو جنگلی، صحرائی وسمندری جانور، وغیرہ کو تو پروفیسر علی ساجد ضرور جانتے ہوں گے کہ ان سب کا ایک غذائی جال (food web) بھی ہے جس کے سہارے بغیر انسان کے بھی وہ ازل سے پھلتے پھولتے رہے ہیں تو انسان کی ذمہ داری کہاں سے شروع ہوتی ہے اور کہاں تک جائے گی اس سارے بکھیڑے میں پڑنے کی بجائے اور دماغ کو کسی لایخل کشٹ میں ڈالنے کی بجائے سب سے آسان یہی نظر آتا ہے کہ پرندوں کی دعاؤں کو اپنے رزق کے ساتھ جوڑ کر گفتگو سوشل میڈیا کے حوالے کر دی جائے۔ اگر یہ درست ہے تو مٹ جانے والے، غربت کے شکار اور معذور انسانوں کو بھی کسی کی بد دعا لگتی ہو گی جیسے فلسطینیوں کو لگی ہوئی ہے۔

کہیں میں احمق تو نہیں

کالم میٹھا سچ 875 از ڈاکٹر سلطان محمود

لاہور، 3 جولائی 2024ء

میں چوکیدار کو 2100 روپے تنخواہ دیتا ہوں، اپنی صحت پر 17 روپے اور تعلیم پر 32 روپے خرچ کرتا ہوں، باقی گھر کا گزارا قرض لے کر ہوتا ہے۔

چوکیدار مجھے ہر وقت ڈرا کر رکھتا ہے، کہتا ہے ہمسایوں سے مجھے بہت خطرہ ہے، حالانکہ میرے پاس لٹنے کے لئے کچھ بھی نہیں۔

میں احمق تو نہیں ہوں؟

سب سے دلچسپ بات یہ ہے کہ میرے سامنے ہی میرا چوکیدار مجھ سے کہیں بہتر زندگی گزار رہا ہے۔

چوکیدار نے میرے گھر پر قبضہ بھی کر لیا ہوا ہے اور مجھے سرونٹ کوارٹر میں محصور کر کے اپنے استعمال کی بجلی، گیس پانی گاڑی ہوٹلنگ صحت تعلیم اور تمام تر ین عیاشیوں پر اٹھنے والے اخراجات بھی گن پوائنٹ پر مجھ ہی سے لیتا ہے۔

سودی نظام

کالم میٹھا سچ 876 از ڈاکٹر سلطان محمود

لاہور، 4 جولائی 2024ء

اگر ذرا سی بھی شرم ہو تو ہماری ساری امت اور قوم کو سود کھانے اور کھلانے پر کیا ڈوب نہیں مرنا چاہئے اب تو ہندو بھی ہمیں شرم دلا رہے ہیں؟

ہم میں سے منافقین یہ کہتے ہیں کہ سود ذاتی مسئلہ ہے لہٰذا اگر ہماری حکومتیں ایسا کرتی ہیں تو ہمارا رزق پھر بھی حلال رہے گا کیونکہ ہم نہ سود لیتے ہیں اور نہ دیتے ہیں۔ ایسے لوگوں کی اکثریت پھر بھی بنکوں سے لین دین کرتی ہے۔ ان میں سے زیادہ کٹر محض بنک میں رقوم نہیں رکھتے یا زیادہ سے زیادہ لکھ کر دے دیتے ہیں کہ ہمارے اکاؤنٹ میں سود جمع نہ کیا جائے۔ سورہ بقرہ میں اللہ کے فرمان کو ان منافقین نے جو اپنے معنی پہنا دیئے ہیں یہ صرف اپنے آپ کو دھوکا دینے والی بات ہے اور اس کی مثال یوں ہے کہ اگر اجتماعی طور پر مسلمان اللہ اور رسول سے جنگ میں شریک ہو جائیں مگر چند ایک گھر بیٹھ کر اپنے آپ کو نیک سمجھنا شروع کر دیں مگر مال غنیمت کو استعمال بھی کر لیں۔ نہ جہاد پر نکلیں اور نہ عملاً جنگ روکیں تو پھر ان کی کیا بخشش ہو جائے گی؟ کم از کم قرآن کریم تو ایسا سلوک پسند نہیں کرتا۔

میری سمجھ میں تو یہی آتا ہے کہ دنیا کے ڈیڑھ ارب کے ڈیڑھ ارب مسلمان حرام کھا رہے ہیں۔

گئے صغرا اور اللہ دتہ کے زمانے

کالم میٹھا سچ 877 از ڈاکٹر سلطان محمود

لاہور، 5 جولائی 2024ء

پرانے مؤنث نام:۔

اللہ ڈوائی، صغریٰ، شمیم، نسیم، پروین، نسرین وغیرہ۔

درمیانے دور کے مؤنث نام

افشاں، مسرت، زینت، شمع، سیماب وغیرہ۔

نئے مؤنث نام:

رادین، لاریب، ایان، مشام، لبیبہ، فاریہ، ہادیہ، باضرہ، الوینا، شواومہ، حمنہ۔

پرانے مذکر نام:

اللہ دتہ، محمد بوٹا، احمد دین، محمد احمد، عبد اللہ، وارث، حضرت گل، رمضان وغیرہ۔

درمیانے دور کے مذکر نام:

شفقت، شوکت، کاشف، نسیم، اسلم، افضل، سلطان، اشرف، ظفر، عبد اللطیف، عبد المجید، شکیل، خالد، جاوید وغیرہ۔

نئے مذکر نام:

ایان، ارسل، معیز، خذیفہ، عدیل، آئیدین یا عیدین، ریفان، باسل، عبیس، عکاشہ وغیرہ۔

پرانا شربت

کالم میٹھا سچ 878 از ڈاکٹر سلطان محمود

لاہور، 6 جولائی 2024ء

ایک مشہور مشروب فروش کمپنی نے نئی پیکنگ اور لیبل بھی نیا بنالیا اب ہمارا سوال ہے کہ کیا لیبل ہی بدلے جائیں گے یا بوتلوں میں شربت بھی تازہ ہو گا؟

مثال کے طور پر وفاقی ماحولیاتی وزارت اور اس سے متعلق تمام صوبائی محکموں کے نام بدلے گئے ہیں گزشتہ چند سالوں میں۔ مگر کارکردگی کا گراف نیچے گیا ہے۔

ایسے ہی پنجاب حکومت صوبے کے تمام محکموں (میرے وقت میں 27 تھے) میں ساختی تبدیلیاں (restructuring) لا رہی ہے۔ کیا اس سے گورننس بہتر ہو گی؟

برصغیر میں ہم ہندو سکھ سے مسلمان بھی ایسے ہی ہوئے تھے۔ پانڈے راؤ اور سرجیت سنگھ کا نام عبدالحفیظ اور نواز کاہلوں ہو گیا۔ نہ مذہبی اخلاقیات بدلیں، نہ سماجی روایات اور نہ سیاسی واردات۔

اچھا طرز حکومت (good governance) کیسا ہوتا ہے؟ عمل یا گونگلوؤں سے مٹی جھاڑنا؟

نوٹ۔

یہ پسند ناپسند سے ہٹ کر گورننس پر تبصرہ ہے۔ چین، بھارت اور بنگلہ دیش کو جاننے والے اپنے سنجیدہ تجربے سے آگاہ کر سکتے ہیں بشرطیکہ وہ وہاں کچھ وقت گزار چکے ہوں ورنہ کاپی پیسٹ ہمیں بھی آتا ہے۔

کالم879"ادب چور 7 "جولائی بوجہ الگ کر دیا گیا ہے

بوجہ کیا؟
انعم

نامعلوم سفر

کالم میٹھا سچ 880 از ڈاکٹر سلطان محمود

لاہور، 8 جولائی 2024ء

زندگی کی حقیقت کیا ہے؟ سو سال بعد یعنی 2124ء میں کیا بچے گا؟ کسے معلوم ہماری اپنی ہی اگلی نسلیں ہمیں بھول چکی ہونگی جیسے ہم اپنے پر دادا کا نام بھی نہیں جانتے۔ ہماری موت کے بعد محض چند سال ہی ہمیں یاد رکھا جائے گا۔ پھر ہمارا نام، تاریخ اور ہمارا کردار بھلا دیا جائے گا۔ جو گھر ہم نے اتنی محنت سے بنایا کسی اور کے استعمال میں ہو گا۔

میں نے ایسا سب کچھ ہونے سے قبل ایسا کام کیا ہے جو شاید کوئی نہیں کرتا اور وہ ہے ایسے سفروں پر نکل جاؤں جو میں نے پہلے کبھی نہیں کئے۔

مترجم ڈاکٹر سلطان محمود

ملا اور عالم"

کالم میٹھا سچ 881 از ڈاکٹر سلطان محمود

لاہور، 9 جولائی 2024ء

یہ کالم غلطی سے ڈیلیٹ ہو گیا ہے۔

26 جولائی xxx

نوٹ: یہ کالم ڈاکٹر سلطان محمود سے ڈیلیٹ ہوا۔ انعم سے نہیں۔ آپ یہ ٹیلی کر سکتے ہیں۔
انعم

مرد عورت کے دماغ میں فرق

کالم میٹھا سچ 882 از ڈاکٹر سلطان محمود

لاہور، 9 جولائی 2024ء

آج مالی نے آنسو بھری سرخ آنکھوں سے مجھے بیگم صاحبہ کی شکایت کی کہ آپ مجھے صرف اپنی ایک گاڑی کی صفائی کا ماہانہ دو ہزار روپے دیتے ہیں۔ مگر انہوں نے حکم جاری کیا ہے کہ آپ باقی کی چاروں گاڑیاں بھی صاف کیا کرینگے مگر ماہانہ مزید صرف دو ہزار روپے ملیں گے۔ کیا یہ زیادتی نہیں ہے؟

میں نے اسے مرد اور عورت کے ذہن کا فرق سمجھاتے ہوئے بتایا کہ مرد کو ملازم کی مشقت کا اندازہ ہوتا ہے کیونکہ وہ خود باہر کام کرنے کا تجربہ رکھتا ہے۔ اسی گھر کی عورت کی دوڑ صرف باورچی خانے تک ہوتی ہے اور وہ بھی ملازموں کے جھنڈ کے ساتھ۔ چونکہ اسے نہایت آرام دہ ماحول میں باہر کی سردی گرمی کا ذرا بھی اندازہ نہیں ہوتا اس لئے اسے چار گاڑیوں کی صفائی کوئی کام ہی نظر نہیں آتا۔ بلکہ یہ دو ہزار دینے طے کرتے ہوئے وہ اپنے تئیں تم پر احسان سمجھ رہی ہوں گی۔

نامکمل ہے۔باقی کا حصہ غلطی سے ڈیلیٹ ہو گیا۔

26جولائیx

مہنگی بجلی

کالم میٹھا سچ 883 از ڈاکٹر سلطان محمود

لاہور،9جولائی2024ء

غلطی سے کالم ڈیلیٹ ہو گیاxx

نمبر گیم

کالم میٹھا سچ 884 از ڈاکٹر سلطان محمود

لاہور،9جولائی2024ء

ڈیلیٹ ہو گیاxx

ای کیپ کا نواں ماہانہ اجلاس

کالم میٹھا سچ 885 از ڈاکٹر سلطان محمود

لاہور، 12 جولائی 2024ء

اس بار انوائرنمنٹ کنسلٹنٹس ایسوسی ایشن پاکستان (ECAP) اور فیملی پلاننگ ایسوسی ایشن پاکستان (FPAP) کے باہمی تعاون کا مشترکہ اجلاس رہنماء فیملی ہسپتال جوہر ٹاون لاہور میں منعقد ہوا جو ECAP کا باقاعدہ نواں ماہانہ اجلاس بھی تھا۔

مون سون کی شدید بارش کے باوجود دونوں تنظیموں کے اراکین نے پیشہ ورانہ جذبے کا اظہار کرتے ہوئے اجلاس کامیاب بنا دیا۔ سب سے پہلے حاضرین نے اپنی اپنی تنظیموں کا تعارف پیش کیا اور ملک عزیز کی بہتری میں دہائیوں سے جاری اپنے مکمل کئے گئے ترقیاتی پراجیکٹس کا ذکر کیا اور اس عزم کا بھی بھرپور اظہار کیا کہ ہم سب اپنے مقاصد کی بجاآوری کے ساتھ ساتھ مذکورہ دونوں تنظیموں کے لئے بھی انشاءاللہ لازماً مل کر کام کریں گے۔

فیملی پلاننگ FPAP کی ریجنل ایگزیکٹو ڈائریکٹر محترمہ ثمینہ اشرف نے اپنی ایسوسی ایشن کی نمائندگی کرتے ہوئے حاضرین کو خوش آمدید کہا اور اپنی ایسوسی ایشن کی 32 سالہ خدمات کا ذکر کیا نیز فیملی ہسپتال میں عوام کو مہیا کی جانے والی سہولیات کا خاکہ بھی پیش کیا۔ انہوں نے ECAP کے ساتھ مشترکہ پروگرامز کا ایک روڈمیپ بھی پیش کیا اور کہا کہ ملک کی کسی بھی سرکاری غیر سرکاری تنظیم کی کل کامیابی کا بنیادی انحصار ملک کی آبادی پر ہی ہے اور تیزی سے بڑھتی آبادی ملک کے مجموعی ذرائع دولت میں کھینچا تانی کا باعث بن جاتی ہے اس لئے انہوں نے مشورہ دیا کہ ہم آبادی میں بہتری لانے کی کوشش کے ساتھ مجموعی ماحول کی بہتری کے لئے مل کر کام کرینگے۔

ڈاکٹر سلطان محمود نے ECAP کا تعارف پیش کیا اور پچھلے سات برس میں اس اہم تنظیم کے اتار چڑھاؤ پر مختصر روشنی ڈالی۔ انہوں نے بتایا کہ ہم نے کوویڈ کے بعد کی دو سالہ عدم فعالیت کے باوجود اس تنظیم کو جامد یا غیر فعال نہیں ہونے دیا اور الحمدللہ پچھلے سال جون سے اسے مضبوط، فعال اور پیشہ ورانہ ہاتھ مہیا کر دیئے ہیں۔

آج کی دونوں تنظیموں کے مشترکہ رفیق جناب روٹیرین ڈاکٹر نور الزماں رفیق صاحب نے ماحول، سماج اور طرز حکومت (ESG) کے شعبے میں دنیا بھر میں پاکستان کی کمزور پوزیشن کو مضبوط کرنے کی خاطر ایک SDG Watch Group کے قیام کا تصور پیش کیا جسے سبھی حاضر تنظیموں نے خوشدلی سے قبول کر لیا۔ اس گروپ کی چیئر پرسن محترمہ ثمینہ اشرف ہوں گی اور ڈاکٹر نور الزمان اور ڈاکٹر سلطان محمود قریبی مشیر ان کے طور پر ان سے تعاون کریں گے۔

موسم کی مناسبت سے ECAP کی جانب سے لائے گئے آموں اور FPAP کی جانب سے لسی نے ماحول کو خاصہ دلآویز اور شگفتہ بنا دیا۔

ان بھنے تیتر اڑانا

کالم میٹھا سچ 886 از ڈاکٹر سلطان محمود

لاہور، 13 جولائی 2024ء

اپنے ایک خاص دوست میاں وقار کو اپنی کتب کی تصنیف و تالیف کا کام دیا اور ساتھ میں یہ تاکید بھی کی میری کتب کا کام مکمل ہونے سے پہلے کوئی بھی مواد شائع نہ ہونے ہائے جب تک میری طرِ سے ہاں نہ ہو، لیکن میاں صاحب کی طرف سے خلاف ورزی پر ہماری تنبیہ جائز تھی۔ میاں

صاحب آپ جذبات پہ قابو نہیں پا سکے اور نا مکمل کاوش ہی ای کیپ گروپ میں شئیر کر دی۔ اور ساتھ ہی اپنی مارکیٹنگ بھی شروع کر دی۔ یہ سٹیج بھی آئے گی انشاءاللہ لیکن کوئی دو تین ماہ بعد۔ میں نے بار بار عرض کی ہے کہ میری کتب کو آپ اپنی لائبریری میں شامل نہیں کریں گے۔ میں خود ایسا کر دوں گا کسی مناسب وقت پر۔

پاکستان میں لوگ تربیت یافتہ نہیں ہیں اور جو کمپوزر بچوں کو تھیسس لکھ کر دیتے ہیں اسے اپنا مال سمجھ کر استعمال شروع کر دیتے ہیں حالانکہ جس ٹیکسٹ کی فیس وصول کر لی جائے وہ اصل مصنف کی ہی ملکیت ہوتی ہے بلکہ تھیسس تو طالب علم کے بھی نہیں یونیورسٹی کی ملکیت تصور ہوتے ہیں اور انہیں اجازت کے بغیر مکمل یا جزوی طور کہیں اپنے نام سے چھاپ دینا غیر اخلاقی اور غیر قانونی سمجھا جاتا ہے۔

رائے مہربانی محتاط رہیں میں اپنے تصنیف کردہ تمام میٹیریل کے بارے میں بہت حساس ہوں اور کسی بھی صورت میں اسے misuse نہیں ہونے دوں گا۔ بنیادی تخیل تو ایک طرف میں اپنی ایک سطر بھی کسی سے شئیر نہیں کرتا۔ آپ سے بہت واضح طے ہوا تھا کہ میرا تمام ڈیٹا full secrecy میں رہے گا لیکن یہ تو ابھی سے لیک ہونا شروع ہو گیا ہے۔

ابھی تو یہ اس گروپ میں شئیر ہوا ہے جہاں میں بھی ہوں جس سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ یہ کبھی نہ کبھی بہت سے غیر متعلقہ اور غیر مختار فورمز پہ بھی پہنچ جائے گا۔ آپ اسے میری شہرت سے تعبیر کریں گے جبکہ مجھے اس کا سخت افسوس ہو گا۔ وجہ یہ ہے کہ میں genuine writer ہوں جن کی پہلی اور آخری نشانی ہی یہ ہوتی ہے کہ ایسے لوگ شہرت، دولت اور طاقت کے لالچی نہیں ہوتے۔ لہٰذا بہتر ہے کہ ہم فرمان نبی صلعم کے مطابق لکھ کر معاہدہ کر لیں اور شدت سے اس کی پابندی بھی کریں۔

آپ ناراض نہ ہوں لیکن میں بعض اصولوں میں بہت سخت ہوں ورنہ کیا آج میرے پاس ناجائز شہرت، دولت اور طاقت کی کوئی کمی ہوتی؟

شکریہ اگر ہم ابھی سے ایک دوسرے کو سمجھ جائیں۔ ورنہ مطلب یہ نکلے گا کہ آپ بیس سال سے جان پہچان کا دعویٰ کریں گے مگر میں کہوں گا کہ ہم ایک دوسرے کو جانتے ہی نہیں۔

یہ یہاں اس لئے لکھا ہے کہ انعم اور اقصیٰ یا کل کو جو بھی اس گروپ میں آئے وہ بھی میرے چند اصولوں سے باخبر رہے۔ شکریہ۔

ایک اور اعزاز

کالم میٹھا سچ 887 از ڈاکٹر سلطان محمود

لاہور، 13 جولائی 2024ء

کچھی کینال بارے ایک کلپ دیکھ کر قلبی اطمینان ہوا کہ میری شمولیت سے غذائی تحفظ کے شعبے میں ایک اور نہر مکمل ہونے جا رہی ہے جو مزید سات لاکھ ایکڑز بنجر زمین کو سیر اب کر دے گی۔ ماحولیات کے شعبہ میں پچھلی ربعہ صدی میں مجھے سو اچار سو سے زائد ماحولیاتی پراجیکٹس پر کام کرنے کا موقع ملا جن میں سے کچھی کینال پراجیکٹ بھی الحمدللہ کامیابی سے ہم کنار ہوتا نظر آ رہا ہے اور یہ میری پروفیشنل لائف کا ایک اور جگمگاتا ستارہ بن گیا ہے۔ گو کہ میں 2008ء تا 2009ء تک نیسپاک کی جانب سے تونسہ بیراج کی بحالی کے منصوبہ پر محض دو سال ہی سوشیو انوائرنمنٹ کی ٹیم کا انچارج رہا لیکن سلیوٹ کرتا ہوں محکمہ آبپاشی کے اپنے سابق افسران کا جن میں مرحوم چودہری اختر پہلوان، جناب منسوب علی زیدی اور ریاض وڑائچ صاحبان سر فہرست ہیں جو بوجوہ ساری زندگی نان انجینئرز کے خلاف ہی رہے لیکن پھر بھی انہوں نے کمال پیشہ ورانہ کردار کا مظاہرہ کرتے ہوئے تونسہ پراجیکٹ کے ساتھ مجھ پر خانکی بیراج اور کچھی کینال کی فزیبلٹی پر ابتدائی سروسز لینے کے لئے بھی بھروسہ کیا۔

رب کریم کا میں بے حد شکر گزار ہوں کہ جس نے مجھے ذاتی پیشہ ور آرگنائزیشنل کنسلٹنٹ کی حیثیت سے انیس سیکٹرز کے شعبہ ماحولیات میں ملک کی خدمت کی توفیق دی جن میں ملک کے کم و بیش سبھی اہم سیکٹرز شامل ہیں مثلاً پاور جنریشن کی چاروں اقسام (ہائیڈرو، سولر، ونڈ، کول اور ویسٹ)، واٹر ریسورسز، ویسٹ مینجمنٹ، جنگلات، حیوانات، غذائی تحفظ، صنعت و حرفت، دیہی

ترقی، شہری ترقی، ہائی ویز، ماس ٹرانزٹ، بائیوڈائیورسٹی پارکس، کاربن کریڈٹ مارکیٹنگ، کانکنی، ہاؤسنگ، ٹورزم، HVAC اور دیگر مہارتیں وغیرہ۔

انداز بیاں

کالم میٹھا سچ 888 از ڈاکٹر سلطان محمود

لاہور، 15 جولائی 2024ء

میری موبائلی مہارت کو ابرار بھائی کا بیٹا بھی نہیں مانتا اور بہت دنیا بھی نہیں مانتی لیکن یہ ایسی بات ہی ہے جیسے امبانی کا ڈرائیور کہے کہ میرے مالک کو گاڑی چلانی نہیں آتی۔

میرا خیال ہے کہ میری زندگی کی کہانی "فکر سلطان "سیریز پر روسی ادیب انتونی چیخوف کے الفاظ صادق آتے ہیں جس سے جب ناکام معاشروں کی فطرت کے بارے پوچھا گیا تو اس نے جواب دیا کہ **"ناکام معاشروں میں ہر دانا کے مقابلے میں ہزار احمق ہوتے ہیں اور ہر شعوری بات کے مقابلے میں ہزار بے وقوفانہ باتیں ہوتی ہیں۔ اکثریت ہمیشہ احمق ہوتی ہے اور دانشوروں پر غالب رہتی ہے"** اگر آپ دیکھیں کہ کسی معاشرے میں فضول موضوعات زیر بحث رہتے ہیں اور بے وقوف لوگ منظر عام پر چھائے ہوئے ہیں تو یقین کر لیں آپ ایک انتہائی ناکام معاشرے میں رہ رہے ہیں۔ مثال کے طور پر بے معنی گانے اور بولیاں لاکھوں لوگوں کو ناچنے اور شور مچانے پر مجبور کر دیتی ہیں اور اس گانے کا گلوکار مشہور و معروف اور محبوب بن جاتا ہے بلکہ لوگ اس کی رائے کو معاشرتی اور زندگی کے دیگر امور میں بھی اہمیت دینے لگ جاتے ہیں۔ جبکہ مصنفوں اور ادیبوں کو کوئی اہمیت نہیں ملتی اور نہ ان کی کوئی قدر کرتا ہے۔ اکثر لوگ فضولیات اور نشہ آور اشیاء کو پسند کرتے ہیں تاکہ وقتی طور پر وہ غموں سے فرار حاصل کر سکیں۔ ایک شخص جو ہمیں بے ہوش کر کے ہماری عقلوں کو ماؤف کرتا ہے اور ایک شخص جو ہمیں فضول باتوں پر ہنساتا ہے وہ اس شخص

سے بہتر دکھائی دیتا ہے جو ہمیں حقیقت کی جانب خبر دار کرتا ہے اور حق بات کہہ کر ہمیں تکلیف دیتا ہے"

چیخوف نے کس قدر سچی بات کی ہے جس کی مثال کے طور پر اپنا میڈیا ہی دیکھ لیں کہ میراثیوں سے بھرا پڑا ہے۔ فلم کے ہیرو یا ہیروئن ایدھی اور ڈاکٹر عبد القدیر سے زیادہ مقبول ہوتے ہیں اور پھر ہمارے جیسے ناکام معاشروں کا سب سے بڑا جبر تب شروع ہوتا ہے جب دانشور اور سنجیدہ علوم کے ماہرین بھی شہرت اور پیسے کے لالچ میں انہی ٹھگوں جیسی حرکات شروع کر دیتے ہیں۔

یہ درست ہے کہ اس نقار خانے میں میں نے بھی اپنے افکار کی جگہ بنانے کے لئے طنز و مزاح کا طریقہ "میٹھے سچ" کی طرز پر شروع کیا ہے وجہ صرف یہ تھی کہ میں نے نہ تو مذہب بیچنا تھا اور نہ سیاست کو کاروبار بنانا تھا لیکن اس ناکام معاشرے میں اپنی سنجیدہ بات بھی گوش گزار کرنی تھی اس لئے مجھے میراثیوں کے سردار آفتاب اقبال کے والد ظفر اقبال کی طرز اختیار کرنی پڑی جو میرے لئے یوں بھی سہل تھی کیونکہ میں نے بذلہ سنج جگت بازوں کے گڑھ فیصل آباد میں بچپن اور جوانی گزاری تھی۔ اس لئے میری سیریز "فکر سلطان" میں میری سنجیدہ ذاتی کاوشوں میں غذائی تحفظ بارے جو تحقیقی تصانیف نظر آ رہی ہیں ان پر مجھے یقین ہے کہ کسی نے صفحہ بھی نہیں پلٹنا لیکن طنز و مزاح میں میرے افکار کا سارے کا سارا نچوڑ موجود ہے جس کے چند صفحات شاید کوئی پلٹ ہی لے۔

قول و فعل میں تضاد

کالم میٹھا سچ 889 از ڈاکٹر سلطان محمود

لاہور، 14 جولائی 2024ء

یوں تو سید بھی ہو، مرزا بھی ہو افغان بھی ہو۔۔۔

تم سبھی کچھ ہو، بتاؤ کہ مسلمان بھی ہو؟۔۔۔!!

(از جواب شکوہ، علامہ اقبال)

علامہ جواد نقوی اتحاد بین المسلمین کے بہترین داعی ہیں۔ پچھلے برس لاہور میں جماعت اسلامی کی طلب کردہ قومی مشاورتی کانفرنس میں سبھی مذہبی و سیاسی جماعتوں کے نمائندوں نے شرکت کی لیکن جناب جواد نقوی صاحب جب ہال میں داخل ہوئے تو میں نے ایک عجیب منظر دیکھا۔ علامہ صاحب کے جلو میں کوئی بیس ساتھیوں کا ایک گروہ تھا جو تقدس کے ساتھ پیچھے پیچھے چل رہا تھا لیکن ان سے چند قدم آگے آگے الٹے پاؤں چلتا ہوا ایک بینڈ نہایت اونچی آواز میں استقبالیہ دھنیں بجاتا ہوا فلیٹیز کی مارکی کے صدر دروازے سے سٹیج تک انہیں سیٹ پر بٹھانے تک ساتھ رہا اور ظاہر ہے ان کے ساتھ پریس اور کیمرہ مینوں کا ایک لشکر بھی تھا۔ صرف کمی تھی تو دھمال ڈالنے والوں کی تھی۔

اسی ہال میں میرے سامنے سراج الحق صاحب سمیت لگ بھگ پچیس جماعتوں کے نمائندے بھی ہال میں داخل ہو کر سٹیج پر آئے لیکن ایسا نمایاں اور پر جوش منظر کسی کے ساتھ نہیں تھا۔

میں علامہ صاحب کی سوچ اور مذہبیت کا کافی معترف ہوں لیکن اس ڈھول تماشے والے دکھاوے نے میرے ذہن میں موصوف کا اس قدر احترام کم کر دیا ہے کہ تین بار باوجود موقعہ ملنے کے میں نے ان سے مکالمہ نہیں کیا سوائے مصافحے اور حال احوال پوچھنے کے۔

میں مولانا مودودی کے وقت سے لے کر عمران خان کے وزیر اعظم بننے تک قریب قریب سبھی قومی مذہبی و سیاسی قائدین سے کافی قریب سے ہمکلام رہا ہوں اور ہر ایک کو دینی و سیاسی پیرائے میں ہمیشہ پرکھتا بھی چلا آیا ہوں مگر قول و فعل کے تضاد کی بنیاد پر بڑے سے بڑے عالم دین یا ممتاز سیاستدان کو قبول یا مسترد بھی کرتا آیا ہوں۔ اپنے تجزیے اور وجدان کی بنیاد پر بد قسمتی سے مجھے پاکستان کا مستقبل کبھی بھی روشن نظر نہیں آیا۔

بچپن اور پچپن

کالم میٹھا سچ 890 از ڈاکٹر سلطان محمود

لاہور، 14 جولائی 2024ء

النعم

سر آپ اور بھی زیادہ innovative ہوتے جا رہے ہیں اور اب آپ کو نئے زمانے والی مصنوعی ذہانت کا استعمال بھی آتا جا رہا ہے۔

ڈاکٹر سلطان محمود

دیکھا یہ فائدہ ہے نوجوانوں سے دوستی رکھنے کا۔ ان کے تازہ علم سے مدد لے کر دن بدن innovative ہو رہا ہوں۔

پچھلی صدی میں تم مجھے جانتی نہیں تھی کیونکہ تم نے ابھی بمشکل فیڈر ہی چھوڑا ہو گا ورنہ جان جاتی کہ علم کے حصول کے لئے میں نانا جان کے فارمولے کے مطابق بچپن میں نوجوانوں سے دوستی رکھتا تھا، نوجوانی میں جوانوں سے اور جوانی میں ادھیڑ عمروں سے۔ یوں میں جلد علم حاصل کر گیا۔

میں میکدے کی راہ سے عدم گزر گیا۔۔۔

ورنہ سفر حیات کا بے حد طویل تھا۔۔۔!!

میں چونکہ بوڑھا نہیں ہو سکتا اس لئے موجودہ صدی میں میں ادھیڑ عمری میں آ گیا ہوں تبھی بدلتی دنیا کو قابو میں رکھنے کے لئے میں نے تم سے اور میاں وقار سے دوستی گھڑ رکھی ہے لنڈے کے نوجوان سمجھ کر۔

لہٰذا اب میرے اندر ایک بچہ ہے اور ایک نوجوان بھی ہے، ایک جوان ہے تو ایک ادھیڑ عمر بھی ہے، ادھیڑ عمری اور بڑھاپا تو میرے اندر جوانی ہی سے تھا نانا جان کی وجہ سے۔

ہاں خدانخواستہ یہ نہ ہو جائے کہ:

ایک پل میں یوں ہم وہاں سے اٹھے۔۔۔

بیٹھنے میں جہاں زمانے لگے۔۔۔!!

ساتھی کی خواہش

کالم میٹھا سچ 891 از ڈاکٹر سلطان محمود

لاہور، 15 جولائی 2024ء

ایک خاص عمر میں پہنچ کر انسان کے اندر "کسی کے ساتھ" کی خواہش مر جاتی ہے۔ اس وقت کے بعد آپ کو کوئی فرق نہیں پڑتا:۔

جب کوئی آپ کی سالگرہ یاد نہیں رکھتا۔

یا آپ کو کھانے پر نہیں بلاتا۔

یہ وہ وقت ہوتا ہے جب آپ خود کے ساتھ خوش رہنا سیکھ جاتے ہیں۔

جب آپ کو جبری رشتوں کو لٹکانے میں کوئی دلچسپی نہیں ہے۔

جب آپ بے تکی گفتگو پر چند گھنٹے سو جانے کو ترجیح دیتے ہیں۔

اور آپ مانیں یا نہ مانیں۔

زندگی تب ہی صحیح معنوں میں حسین لگتی ہے۔۔۔

ڈاکٹر

میری زندگی گزشتہ دس برس سے بہت حسین ہو گئی ہوئی ہے۔

خود فراموشی

کالم میٹھا سچ 892 از ڈاکٹر سلطان محمود

لاہور، 18 جولائی 2024ء

ایک صاحب سینئیر سٹیزنز کے لئے لکھتے ہیں کہ۔۔۔۔

آپ نے کمپیوٹر کی ہارڈ ڈسک کا حوالہ دے کر سارے مسئلے کی کنجی بھی ہاتھ میں پکڑا دی ہے۔ اب ہمارے دماغ کی سست روی کو تیز کرنے کا بھی وہی حل ہے جو ہارڈ ڈسک کا ہے۔ یعنی فالتو فائلوں کو مستقل ڈیلیٹ کر کے نئے کاموں کے لئے جگہ بنانا۔ پھر دیکھیں دماغ کس قدر تیز ہو جاتا ہے۔

اب دماغ میں نئی فائلوں کی جگہ کیسے بنانی ہے اس پر امریکہ اور چین میں The Science of Unlearning پر تیزی سے کام ہو رہا ہے۔ اس کا ذکر میں اپنے کسی کالم میں بھی کر چکا ہوں۔

اس سے قبل کہ مصنوعی ذہانت ہمارے دماغ کو مکمل شکست سے دوچار کر دے یا کوئی نئی سائنسی تکنیک سامنے آئے تب تک سر دست ہمارے پاس ایک یوگا میں اس کا ایک آسن موجود ہے جسے خود فراموشی کہتے ہیں۔ یعنی کسی خاموش جگہ پر بیٹھ کر آنکھیں بند کر کے حالت خود فراموشی میں چلے جانا یعنی دماغ کو اس وقت تک کی تمام غیر ضروری فائلوں کو ڈیلیٹ کرنے کا وقت عطا کرنا۔ یہ دماغ کو خالی کرنے کا ننھا سا ایک سیکنڈ کا وقفہ منٹوں گھنٹوں تک بھی بڑھایا جا سکتا ہے۔ اس سکون کو حاصل کرنے کے لیے بعض بدھ یا عیسائی مونکس یا راہب تو پہاڑوں پر زندگیاں بسر کر دیتے تھے۔

اسی سے ملتا جلتا کام مہاتما بدھ نے بھی کیا تھا اور بلکہ اللہ کو ہی پوری طرح دماغ سے نکال کر انسان کی فلاح کا کام کرنے کی 32 نکات ایجاد کئے تھے۔

ازاں بعد اسی سمت بڑھتے ہوئے پیغمبر اسلام صلعم نے بھی پہاڑی چوٹی کے غار میں اپنی قبل از اعلان نبوت سے جوانی کے کافی سال گزارے تھے لیکن وہ ساتھ ساتھ کمیونٹی سے بھی وابستہ رہے اور دوبارہ ایک خدا کا تصور پیش کر دیا۔ وہ بھی کوئی راہب ہی تھا جس نے حضور کے چچا کو آپ کی نبوت کا بتایا تھا۔ خیر یہ بات میں نے اپنی نصابی اسلامیات والی کر دی ہے جس کا ثبوت قرآن و حدیث میں موجود نہیں۔ البتہ نماز کی طرز پر مراقبہ اور سال میں ایک بار چند دنوں کا اعتکاف بھی سائنس آف ان لرننگ کی جانب ہی اشارہ کرتے ہیں۔

غالبا "سولہویں سترہویں صدی میں یونانی فلاسفر شوپنہار نے بھی مہاتما بدھ والی تھیوری کو آگے بڑھایا جسے پھر اگلی صدی میں جرمن فلاسفر نطشے نے بام عروج تک پہنچا دیا۔ بہر حال ہم ان کو ملحدین میں شمار کرتے ہیں جو کہ خالصتاً ہماری اپنی مرضی ہے یا شاید لاعلمی ہے ورنہ اقبال نے تو نطشے کو نبیوں کے برابر پہنچا دیا ہوا ہے۔

آپ کوئی قریبی یوگا کے گروپ میں شامل ہو کر خود فراموشی کی مشق کر سکتے ہیں۔ انسان کی نیند بھی ہمیں روزانہ کی بنیاد پر دماغی ڈسک خالی کرنے کا پورا موقع دیتی ہے مگر ہم صبح اٹھ کر منفی فائلیں پھر سے reload کر لیتے ہیں۔

شیعہ اور مسلمان میں مکالمہ

کالم میٹھا سچ 893 از ڈاکٹر سلطان محمود

لاہور، 18 جولائی 2024ء

فرحت عباس شاہ

جو کربلا میں ہوا اصل میں تو کب کا ہے۔

کربلا اچانک نہیں ہوئی ایک طویل نفرت تھی جو دلوں میں پنپ رہی تھی۔

آپ نے کبھی سوچا کہ امام حسن علیہ السلام اور امام حسین علیہ السلام کی پانچ چھ سال کی عمر تک تو واقعات ملتے ہیں مگر اس کے بعد تاریخ میں ان کا ذکر صرف تب ہوا جب ان کی شہادت ہوئی۔

کئی نامور اصحاب حضرت سلمان فارسی کہ جس کے بارے میں نبی کریم نے فرمایا کہ اگر علم ثریا ستارے پر بھی ہو اہل فارس وہاں پہنچ جائیں۔

حضرت ابو ذر کہ جنہیں زمین پر سب سے سچا انسان قرار دیا۔

حضرت مقداد جن کی جنت مشتاق ہے۔

حضرت ایوب انصاری جو نبی کریم کے مدینہ میں میزبان تھے۔

حضرت جابر بن عبد اللہ انصاری جو نبی کریم سے لے کر ان کی پانچویں نسل تک حیات رہے۔

حضرت عمار یاسر جن کی شان میں آیات نازل ہوئیں۔

حضرت بلال حبشی جو موذنِ رسول تھے۔

تاریخ ان کے بارے میں مکمل خاموش نظر آتی ہے۔ ایسا لگتا ہے کہ جیسے وفات نبی کریم ص کے بعد وہ اس دنیا سے غائب رہے اور بس شہادت یا وفات کے وقت دنیا میں کچھ دیر کے لئے آئے۔

آخر کہیں تو کچھ غلط ہوا ہے کہ ان شخصیات کا ذکر کرنا عیب سمجھا گیا۔
دوسری طرف جو افراد نبی کریمؐ کی وفات سے سال دو سال قبل مسلمان ہوئے ان کی سوانح عمری سے تاریخ بھری نظر آتی ہے۔
نبی کریمؐ کی وفات کے بعد ایسا کیا ہوا کہ ان کی آل اور بہت سے وفادار اصحاب کو تاریخ نے مکمل نظر انداز کر دیا۔
کہاں کچھ غلط ہوا کہ نبی کریمؐ کی وفات کے بعد ان کی آل کے کسی بھی فرد کی طبعی وفات نہ ہوئی۔
تمام قتل ہوئے اور قاتل بھی وہ جو ان کے جد کا کلمہ پڑھتے نہیں تھکتے تھے۔
آج چودہ صدیاں بعد بھی ہم جانتے ہیں کہ حسن و حسین علیہم السلام جنت کے سردار ہیں۔
ایسا کیا ہوا کہ جنت کے طلب گاروں نے سرداروں کو انتہائی اذیت کے ساتھ قتل کر دیا۔
مورخ نے آخر ان تمام ہستیوں کو اتنا غیر اہم کیسے سمجھا کہ تاریخِ اسلام میں ان کا حصہ ایک صحابی جتنا بھی نہیں رکھا۔
کربلا اچانک نہیں ہوئی۔
ایک طویل نفرت تھی جو دلوں میں پنپ رہی تھی۔ جوں جوں وقت گزرتا گیا، نفرت بڑھتی رہی اور ہر ہستی کے بعد دوسری ہستی پر پہلے سے زیادہ ظلم ہوتا نظر آیا۔
اتنی نفرت کہ اس مقدس گھرانے کی مطہرات پر ظلم کرنے سے بھی نہ چوکے۔
چھ ماہ کے بچے کا سر کاٹنا بھی ثواب سمجھا گیا حالانکہ بدترین دشمن کے چھ ماہ کے بچے سے بھی کوئی دشمنی کا بدلہ لینے کا نہیں سوچتا۔
امت نے تو آلِ رسول پر ظلم کیا ہی تھا مگر مورخین نے ان سے کہیں زیادہ ظلم کیا کہ جن کے فضائل تھے، انہیں چھپایا جبکہ ان کے دشمنوں کے فضائل سے کتابیں سیاہ کیں۔

24 ذوالحجہ کو واقعہ مباہلہ کی یاد منائی گئی۔ اس واقعہ میں بنص قران پانچ ذواتِ مقدسہ میدان میں توحید کے گواہ بن کر پیش ہوئے اور قران مجید نے انہیں صداقت کی سند عطا کی۔

واقعہ مباہلہ کے کچھ مدت بعد ان پانچ ہستیوں میں بزرگ ترین ہستی کا وصال ہوا جنازے میں کتنے کلمہ گو تھے؟؟

پھر 75 دن بعد اس گھر کا دوسرا جنازہ رات کی تاریکی میں اُٹھا اور چند مخلصین کی موجودگی میں بڑی خاموشی اور مظلومیت سے دفن کر دیا گیا اور نشانِ قبر تک مٹا دیا گیا جو آج تک نہ مل سکا۔

پھر اسی گھرانے کا تیسرا جنازہ 40 ہجری میں کوفہ سے آدھی رات کے وقت اٹھا اور پشتِ کوفہ ریت کے ٹیلوں کے درمیان خاموشی سے دفن کر دیا گیا اور مدتوں قبر کا نشان نامعلوم رہا۔

پھر اسی جماعت کے چوتھے فرد کا جنازہ 50 ہجری میں شہر مدینہ سے اُٹھا اور نانے کی مزار کی طرف چلا مگر کچھ لوگ تیروں سے مسلحہ راستے میں حائل ہوئے کہ نواسے کو نانے کے پہلو میں دفن نہیں ہونے دیں گے آخر وہ جنازہ بقیع کے عوامی قبرستان میں دفن کر دیا گیا۔

پھر 61 ہجری میں اصحاب مباہلہ کے آخری فرد کا جنازہ اٹھایا بھی نہ جا سکا بلکہ جنازہ گھوڑوں کی ٹاپوں سے پامال کر دیا گیا۔

ایک بات تمام اہل ایمان پر فرض ہے کہ اس پہ غور و فکر کریں کہ آئمہ اطہار کی جگہ کتنے امام پیدا کیے گئے اور ہم آلِ محبوب خدا کہ جگہ ان سے دینی و فکری رہنمائیاں حاصل کرتے ہیں۔ گویا جن کے سینوں میں رسول کریم کی طرف سے منتقل ہونے والا علم القرآن وحدیث اور علم الدنیا کو پورے منصوبے سے پسِ پشت ڈال کے ان گنت اماموں کے اقوال اور وضاحت فقہ حاصل کرتے ہیں اور یہ غفلت میں نسل در نسل ہوتی نظر آتی ہے۔

بحیثیت مسلمان کیا ہم یہ حق نہیں رکھتے کہ کم از کم ہم مورخ اسلام سے یہ تو پوچھیں کہ جنکی صداقت کا گواہ خود اللہ ہے اور وہ توحیدِ خدا کے گواہ ہیں امت رسول نے انکے ساتھ یہ سلوک کیوں کیا۔؟

ہمارا یہ سوال امت مسلمہ پر قیامت تک قرض رہے گا اور اگر اس دنیا میں اس کا جواب نہ ملا تو میدان محشر میں عدالت خداوند تعالیٰ میں ہم یہ سوال اٹھائیں گے۔ بقول شاعر

وہ ساری جنگ محمد سے دشمنی کی تھی
جو کربلا میں ہوا اصل میں تو کب کا ہے
ڈاکٹر

حضور جیسے آپ نے ایک مفکر کی حیثیت سے اپنے فرقے کی ترجیحات بیان فرمائی ہیں اور جنہیں کم از کم میں نے تو بہت محبت سے پڑھا ہے امید کرتا ہوں کہ مسلمان کی سادہ ترین تعریف کے مطابق آپ بھی میرا نکتہ نظر کھلے دل سے پڑھیں تو گے۔ ہمارے مکالمے کی بنیاد تاریخ رہے گی تقدیس یا عقیدہ نہیں رہنا چاہئے ورنہ بے علم لوگ تشدد پر اتر آئیں گے۔

جس طرح آپ کی تحریر میں پہلے تین خلفاء راشدین کا ذکر گول ہے ایسے ہی تاریخ کے آئینے میں (تفرقات کے آئینے میں نہیں) کسی بھی نبی کی آل کی کوئی نمایاں حیثیت نہ ہونے کے باعث ذکر اذکار سے خالی ہے۔ درحقیقت حیثیت صرف تقویٰ کی ہے جس میں حضورؐ کا گھرانہ بہر حال اوپری درجے پر ضرور تھا لیکن خون کی نسبت کوئی وجہ احترام نہیں بنتی۔ نیز دنیا کے مروجہ نظام کے مطابق وراثت خونی رشتوں میں بھی بیٹوں کو منتقل ہوتی ہے بیٹیوں کو نہیں حالانکہ موروثیت پر ایمان بذات خود ایک قبیح حرکت ہے جس کی وجہ سے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہما کو تمام تر تقویٰ کے باوجود پانچویں خلیفہ حضرت حسن رضی اللہ عنہما کے بعد چھٹے خلیفہ راشد کا درجہ حاصل نہ ہو سکا۔

مسلمان کی حالت پر افسوس یہ ہے کہ عشرہ مبشرہ میں شامل حضرت علی رضی اللہ عنہ بلاشبہ تقویٰ اور علم کے بادشاہ کے مرتبے پر فائز رہے لیکن اپنے ساڑھے چار سالہ دور حکومت میں پہلے منافقین کے گڑھ کوفہ میں دارالخلافہ لے گئے لیکن پھر بھی اپنے ہی سابق ساتھی جو خوارج بن کر الگ ہوئے تھے انہیں انتظامی طور پر سنبھال نہ پائے اور بالآخر سینکڑوں سال پرانی قبائلیت کے موضوع پر سبائیوں کی شرارتوں کا شکار ہو کر نا صرف اسلامی فتوحات روک بیٹھے جو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور میں بائیس لاکھ مربع میل تھی اور خلیفہ سوئم حضرت عثمان کے پہلے دس سالوں میں مزید بڑھ کر ستائیس لاکھ مربع میل تک جا پہنچی تھی وہ سکڑ کر پھر دوبارہ سے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے دور میں ساڑھے چھ لاکھ مربع میل تک گر گئی۔

بلاشبہ اس شکست کا ذمہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو نہیں دیا جا سکتا کیونکہ وہ یہودیوں اور نصرانیوں کی عظیم طاقت اور سازش کا مٹھی بھر ساتھی ہونے کی وجہ سے مقابلہ کرنے میں بے دست و پا تھے۔ یہاں آ کر اہل تشیع کا وہ ذیلی گروہ خود بخود باطل ہو جاتا ہے جو سبائی سازش کے تحت یہ کہتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ میں اللہ کی روح حلول کر گئی تھی۔ نعوذ باللہ۔ ورنہ ایسا کیا کہ فاتح خیبر جیسا جری سپہ سالار زخمی حالت میں رات کے اندھیرے میں کوفہ سے فرار ہو جائے اور بیابان میں شہادت پا کر بے نشان قبر میں دفن ہو کر مدتوں اپنی قبر کا پتا بھی نہ بتا سکے۔

کئی سوال ذہن میں مزید بھی ہیں لیکن یقیناً دونوں جانب کے بے دماغ معتقدین میری بیان کردہ تاریخ کو کہیں اپنی اندھا دھند تقلید کا مسئلہ نہ سمجھ بیٹھیں اور اس تحریر کو تاریخی کی بجائے مذہبی سمجھ کر لڑنے مرنے کے لئے تیار ہو جائیں اس لئے باقی باتیں ملاقات پر رکھ لیتے ہیں۔

صرف ایک نکتے یا سوال کی جانب آپ جیسے دانشور کی توجہ مبذول کرانا چاہوں گا۔ کیا آج یہودیوں اور عیسائیوں کے مسلمانوں کے اندر تفرقے نے پوری دنیا میں ہمیں ذلیل و رسواء نہیں کر دیا جو

شاید ہم ابھی ایک ہزار برس مزید رسوا نہ ہوتے اگر ابن سباغ کے خارجیوں پر اثرات کی سازش کا شکار نہ ہوتے ؟

مسلمان بن کر جواب دیجئے گا شیعہ بن کر نہیں۔

شیعہ ازم الگ مذہب بن چکا ہے

کالم میٹھا سچ 894 از ڈاکٹر سلطان محمود

لاہور، 20 جولائی 2024ء

اگر عام مسلمان کو ڈاکٹر اسرار احمدؒ کی یہ معرکتہ لآراء تحقیق سمجھ میں آجائے تو یہ بھی سمجھ میں آ جائے گا کہ منافقین اور کافرین کیسے مسلمانوں کے آپس کے اختلافات کو ہوا دے کر مسلم امہ کو کمزور کرتے چلے آرہے ہیں۔ اس تحقیق کے مطابق مندرجہ ذیل نکات اخذ کئے جاسکتے ہیں:

1۔ حضرت علی خلافت کے دعوے دار ہی نہیں تھے اور نہ حضرت حسن اور نہ حضرت امام حسین رض۔

2۔ حضرت علی رض کو فہ دار لخلافہ لے جانے کے باعث سبائیوں کا فتنہ سمجھ گئے تھے لہٰذا انہوں نے اتحاد بین المسلمین کے پیش نظر اس فتنے کے سربراہ کو زندہ جلا دیا تھا۔

3۔ حضرت امیر معاویہ رض خود حضرت علی کی بیعت پر تیار تھے مگر سبائیوں کے خوف سے ایسا نہ کر سکے۔

4۔ حضرت امام حسین رض کی شہادت میں یزید کا کردار نہیں تھا بلکہ یہ سب سبائیوں کا کیا دھرا تھا۔

5۔ حضرت امام حسین رض نے جب کوفیوں کی وعدہ شکنی دیکھی تو واپسی کا رستہ اپنانا چاہا مگر سبائی رکاوٹ بن گئے اور اپنی سازشوں کا بھانڈا پھوٹنے کے ڈر سے انہیں شہید کر دیا۔

6۔ جس ملوکیت کی حضرت امیر معاویہ رض نے بنیاد رکھی تھی اسی ملوکیت کو شیعہ حضرات نے بھی جاری رکھا جسے امام خمینی نے 1979ء دوبارہ امامت کی شکل میں بحال کیا۔

7۔ کچھ قبائلی مائنڈ سیٹ والے فروعی اختلافات کو سبائیوں ہی کی سازش کے باعث اتنی ہوا ملی کہ

بالآخر سبائیوں نے شیعہ فرقہ کی باقاعدہ بنیاد رکھ دی اور مسلمانوں کو واضح دو حصوں میں تقسیم کر کے بے حد کمزور کر دیا۔

8۔ مسلمانوں میں جذبہ مزاحمت کی صفت صرف شیعاوں میں ہی موجود ہے جس سے مسلمانوں کے تمام دیگر دھڑے خالی ہیں۔

یہ نکات ڈاکٹر اسرار احمدؒ کی تحقیق سے اخذ کئے گئے ہیں جس سے ہم میں سے کسی کا متفق ہونا ضروری نہیں لیکن اصل حقیقت یہ ہے کہ سبھی حقائق تاریخی ہیں لیکن مذہبی ہر گز نہیں کہ جن کی بنیاد پر ہم ایک دوسرے کو کاٹ کھانے پر دوڑتے رہیں۔

فارمی چکن

کالم میٹھا سچ 895 از ڈاکٹر سلطان محمود

لاہور، 20 جولائی 2024ء

پہلے زمانے میں مرغی کا گوشت کھانا امیروں کی شان سمجھی جاتی تھی لیکن وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ اس کی جگہ فارمی مرغی نے لے لی جس کے بعد عام آدمی کی پہنچ بھی مرغی کے گوشت تک ہو گئی اور آج چکن امیر و غریب، چھوٹے بڑے سب کی پسندیدہ غذا ہے۔

یہ اصل میں چوزے یعنی Chicks ہیں۔ اس لئے ان کے گوشت کو Chicken کہا جاتا ہے۔ مرغی تو Cock یا Hen ہے۔ اس چکن کی افزائش پہ اگر نظر ڈالیں تو ہمیں پتہ چلتا ہے کہ ایک فارمی چوزہ صرف ڈیڑھ دو ماہ میں مکمل مرغی کے سائز کا ہو جاتا ہے۔ اس فارمی چوزے کو جو غذا دی جاتی ہے اس میں ہارمونز اور کیمیکل کے علاوہ مختلف جانوروں کا خون، جانوروں کی آلائش، مردار جانوروں کا گوشت شامل کیا جاتا ہے جو ان کی افزائش کو غیر فطری طور بڑھا دیتے ہیں۔ یہ فیڈ کھا کر یہ نومولود چوزے 6 سے 8 ہفتوں میں ہمارے پیٹ میں پہنچنے کے قابل ہو جاتے ہیں۔ اس فارمی مرغی کے مقابلے میں دیسی چوزہ 6 مہینوں تک چوزہ ہی رہتا ہے اور مکمل مرغی 10، 12 مہینوں یعنی سال میں بنتا ہے۔

یہ فارمی چکن ہمارے ہاں "ہائی پروٹین، کولیسٹرول فری گوشت" کے نام سے رواج پا گیا ہے۔ حتیٰ کہ ڈاکٹر حضرات بھی سارے گوشت بند کر کے فارمی چکن ہی تجویز کرتے ہیں۔

اب ہم اس کی مخالفت اور حق میں دلائل اور اسلامی نقطہ نظر سے اس کا جائزہ لیتے ہیں۔

ہائی پروٹین والے سفید گوشت کے نقصانات۔

- موٹاپا، جسم پر چربی، گردوں اور جگر پر بھی۔

جوڑوں کا درد، ہڈیوں کا بھربھرا ہو جانا۔

بچے بچیوں میں جلد بلوغت کے آثار۔

اسٹیرائزڈ مرغیوں کا گوشت کھانے کی وجہ سے جسم کا مدافعتی نظام کا شدید کمزور پڑ جانا جس کی وجہ سے آئے دن بیمار رہنا۔

مردوں میں کمزوری اور خواتین میں ایام کی بے قاعدگی کی شکایت۔

یہ چیدہ چیدہ نقصانات ہیں جو کسی میں جلد اور کسی میں کچھ عرصے بعد ظاہر ہوتے ہیں۔

دلائل

اس فارمی مرغی کو طبی لحاظ سے ہائی پروٹین یا وائٹ میٹ کے نام سے جانا جاتا ہے، اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ:۔

کیا برائلر چکن کھانا ہمارے لیے نقصان دہ ہے؟

کیا پولٹری ہارمونز سے پاک ہوتی ہے؟

اس حوالے سے ماہرین کا کہنا ہے کہ برائلر کھانے کے کوئی نقصانات نہیں ہیں بلکہ برائلر پروٹینز کا سستا اور اچھا ذریعہ ہیں جن کی وجہ سے آپ کی اچھی گروتھ ممکن ہے۔ برائلر چکن ہارمونز سے

پاک اور محفوظ پروٹینز کا ایک ذریعہ ہے اگر آپ اس کو اچھی طرح سے پکا کر کھاتے ہیں تو اس کا کوئی نقصان نہیں۔

برائلر چکن کیخلاف زیادہ تر پروپیگنڈہ بے بنیاد باتوں پہ مبنی ہے، جبکہ برائلر کی موجودہ تیز گروتھ سیلیکٹو بریڈنگ کا نتیجہ ہے جس میں اصیل مرغیوں کی 100 اقسام میں سے دس ایسی اقسام کی سیلیکٹو بریڈنگ کرائی جو کہ جلد از جلد گروتھ کر سکے اور بڑی ہو سکے۔ یہ پچھلے 90 سالوں کی محنت کے بعد ممکن ہو سکا ہے اور ان مرغیوں یہ گروتھ بغیر ہارمونز کے قدرتی طور پہ ہوتی ہے، مرغیوں کی فیڈ میں بس ضروری غذائی اجزاء ہوتے ہیں۔

ایک مرغی کا گروتھ ہارمون ہر نوے منٹ بعد اپنی انتہا کو پہنچتا ہے سو اگر آپ چاہتے ہیں کہ آپ ایک مرغی کو ہارمونز لگا کر تیزی سے بڑا کریں تو آپ کو دن میں کئی بار اس کو گروتھ ہارمونز کا ٹیکہ لگانا پڑے گا جو کہ ایک بڑے فارم میں ممکن نہیں۔ اور اس کی علاوہ ایسا کوئی کمرشل پراڈکٹ نہیں ہے جو کہ مرغیوں کے ہارمونز کو بڑھانے کی وجہ بن سکتا ہے اور اگر یہ دستیاب بھی ہوتا تو اتنا مہنگا پڑتا کہ مرغیوں کی قیمت آسمان پہ پہنچ جاتی۔ اس کے علاوہ بہت زیادہ ہارمون کسی بھی جانور کے گردے فیل کر کے اس کو ایک یا دو دن بعد مار دیتے ہیں سو ہارمون لگانا ممکن نہیں۔

اس لئے چکن کو محفوظ پروٹینز کا ذریعہ سمجھ کر بے فکر ہو کر کھائیں اس کی وجہ سے ناہی آپ کے گردے فیل ہونے والے ہیں اور ناہی آپ کو کینسر ہونے کا خدشہ ہے کیونکہ کینسر کا تعلق آپ کے ڈی این اے کی میوٹیشنز سے ہے ڈائیٹ سے نہیں کیونکہ ڈائیٹ کینسر نہیں پیدا کرتی۔

مذہبی اعتراض:

ان کی فیڈ میں مختلف جانوروں کا خون، آلائش، مردار جانوروں کا گوشت، باہر سے آئی فیڈ میں سور کی آلائشیں شامل ہوتی ہیں لہٰذا ایسی مرغی کھانا حرام ہے۔

جواب

شرعی طور پر ذبح شدہ برائلر مرغی کا کھانا حلال ہے، محض لوگوں کی قیاس آرائیوں کی بنا پر کسی چیز کو حرام قرار نہیں دیا جاسکتا اور نہ ہی مرغی کھانے سے ایمان جاتا ہے۔

چکن کی فیڈ میں خنزیر ملانا یا خالص حرام یا جس میں حرام غالب ہو، ایسی خوراک مرغیوں کو کھلانا حرام ہے، یعنی انسان جو شرعی اَحکام کا مکلف ہے، وہ مرغی کو ایسی غذا دے، یہ حرام ہے، مگر ایسی مرغی جسے حرام کھلایا گیا ہو اگر اس میں حرام کی بو نہ ہو تو اس کا کھانا جائز ہے۔ دیسی مرغی بھی کیڑے مکوڑے کھا کر پلتی بڑھتی ہے۔ بہر حال کسی حلال جانور کا حرام یا ناپاک چیز کھالینا اس کے حرام ہونے کی کافی وجہ نہیں ہے، ہاں اگر اس جانور میں ناپاک یا حرام چیز کی بو پیدا ہو جائے تو جب تک اس میں یہ بو محسوس ہو، اس وقت تک اس حلال جانور کا کھانا ممنوع ہے، اور جب وہ بو زائل ہو جائے تو اس جانور کا کھانا بھی جائز ہوتا ہے، فارمی مرغی میں نجاست یا حرام کی بو نہیں ہوتی، اس لیے کھانا جائز ہے۔

نقطہ نظر

چکن کی فیڈ میں موجود اجزاء جس میں بھاری مقدار میں پروٹین، گوشت یا مردار مچھلی شامل کی جاتی ہیں کیا حلال، حرام کی بحث میں شامل ہے؟

میرا ان دانشوروں سے ایک سوال ہے کہ کیا آپ کی دیسی مرغی جو کیڑے مکوڑے، کیچوے، سنڈیاں اور ہر گلی سڑی چیز جو وہ کھاتی ہے کیا یہ تمام اجزاء حلال ہیں؟
یاد رکھیں حلال حرام کا حکم صرف انسان کے لئے ہے جانوروں کے لئے نہیں۔ وہ اپنی فطرت کے مطابق ہی غذا کھاتے ہیں۔ آپ زبردستی بلی کو گھاس اور بکری کو گوشت نہیں کھلا سکتے۔

اس کی گروتھ کے بارے میں بات کرنے سے کچھ وقت ملے تو یہ بھی سوچیں کہ ایک بلی کا بچہ ایک سال میں صرف 2 فٹ اور شیر کا بچہ 6 فٹ کا کیسے ہو جاتا ہے؟ جبکہ دونوں کا خاندان اور خوراک ایک ہی ہے۔

تبصرے

رخسانہ الیگزینڈر

ایک شادی کا انجام

کالم میٹھا سچ 896 از ڈاکٹر سلطان محمود

لاہور، 23 جولائی 2024ء

ہندوستان میں اسلام متعارف ہوئے تیرہ صدیاں گزر چکی ہیں مگر اس کے باوجود ہندو کلچر نے ابھی تک برصغیر کے مسلمانوں کا پیچھا نہیں چھوڑا اور یہاں دوسری شادی کو ہوا ہی مانا گیا ہے۔ درمیان میں انگریز بھی ڈیڑھ سو سال یہاں گزار گیا ہے جو زیادہ سمجھدار ہونے کے سبب عملاً شادی ہی سے انکاری رہا ہے۔ پاکستان میں مسلمان مردوں کی اکثریت نوکری سے ریٹائر ہو کر ساٹھ برس کی عمر میں ہی گھر بیٹھ جاتی ہے۔ پھر بہتر برس کی عمر میں گھر میں اکیلا رہ جانے والا وہی مرد ایک دن بیٹھ کر سوچتا ہے کہ میں نے اگر دو شادیاں کی ہوتیں تو ممکن تھا کہ آج یوں تنہا نہ ہوتا۔

اس بیچارے نے اپنی تمام عمر بچوں کی پرورش میں نکال دی ہوتی ہے اور اپنی زندگی میں ذاتی خوشیوں سے ہمیشہ محروم ہی رہا ہوتا ہے۔ یعنی بچوں کو بہترین سکولوں میں تو پڑھا کر مغربی ممالک میں بسا بھی دیا ہوتا ہے جو اب امریکہ، یورپ اور آسٹریلیا میں خوشحال زندگی بھی بسر کر رہے ہوتے لیکن وہ احمق مرد خود دونوں نعمتوں سے محروم رہتا ہے۔ اب اس کی بیوی بھی لگ بھگ باسٹھ سال کی ہو چکی ہوتی ہے لیکن وہ اب بچوں کے پاس رہنے کو ترجیح دے رہی ہوتی ہے۔ مگر یہ دور نااندیش مرد بڑھاپے میں منہ اٹھائے اکیلا گھر میں پڑا ہے۔ بچے کبھی کبھار فون تو کر لیتے ہیں اور عین ممکن ہے کہ اسی خاوند کے خون پسینے پر پلی بیوی اب بابا جی سے کلام بھی نہ کرتی ہو۔ لہٰذا اب احمق بوڑھے نے بہتر سال کی عمر میں پھر سے کنواری زندگی گزاری شروع کر دی ہوتی ہے۔

اب یہ کھنگورے مارتا بڈھاذیابیطس اور بڑھاپے کی دیگر بیماریوں سے لڑتا نظر آتا ہے۔ سوال یہ ہے کہ وہ کب تک ایسی حالت میں اکیلا زندہ رہے گا؟ یہ المیہ ورکنگ کلاس کے قریباً ہر اس مرد کا ہے جس کی دوسری بیوی اور بچے نہیں ہیں۔ ان کا بڑھاپا زیادہ تر تنہائی بلکہ افسوسناک دور سے گزرتا ہے۔ مرد چاہے کتنا بھی اچھا ہو اس کی بیوی بڑھاپے کو پہنچتے ہی خاوند کی بجائے بچوں کے ساتھ رہنا پسند کرتی ہے کیونکہ وہ سب کہیں نہ کہیں لیکن حقیقت ہے کہ اب ان کا باپ یا خاوند ان کے اتنے کام کا نہیں رہا ہوتا جتنا اس وقت تھا جب وہ خود کمزور تھے۔ اگر ایسی صورتحال ہو اور یہ پوچھا جائے کہ شادی کر کے مرد کو کیا ملا تو جواب کیا ہے؟ جبکہ اس سوال کا عورت کے پاس بہت بہتر جواب ہوتا کیونکہ اسے سب کچھ مل چکا ہوتا ہے۔

مرد شادی کر کے صرف جنسی لذت ہی لیتا ہے یا بچوں کو چوم چاٹ لیتا ہے لیکن اس کے مقابل بے پناہ قربانیوں کی شکل میں قیمت بے حد زیادہ ادا کرتا ہے۔ وقت کے ساتھ ساتھ اندرون خانہ دل اسے اس بات کا کلک شدید ہوتا چلا جاتا ہے کہ اس کی مشکلات میں گزری تمام زندگی کا صلہ اصل سے بہت کم ملا ہے۔ لیکن دوسری طرف عورت کو دیکھیں جو حقیقت میں ساری فصل کاٹتی ہے۔ دنیا میں پھر بھی سبھی عورتیں یہی راگ الاپتے نظر آتی ہیں کہ یہ معاشرہ ہے ہی مردوں کا۔ لیکن اگر گہرائی میں اتریں تو پتا چلتا ہے کہ یہ سارا معاشرہ تو ہے ہی عورت اور اس کے بچوں کا۔

میرے عزیز نوجوان مرد دوستو محتاط رہنا تم پر کل یہی وقت آنے والا ہے۔ تم نے اپنی ریٹائرمنٹ کا کیا منصوبہ بنایا ہے؟ یاد رکھنا تم چاہے جتنے بھی امیر ہو جاؤ اور اچھے بھی بن جاؤ مگر وقت گزرنے کے بعد کوئی عورت تم سے شادی پر راضی نہیں ہو گی ماسوائے کسی بے سہارا یا نفسیاتی مریض عورت کے۔ لہٰذا تمہیں سمجھ تو نہیں آنی لیکن پھر بھی میری اتنی بات تو مان لو کہ ابھی وقت ہے اپنا خیال رکھو اور اپنی ذات سے بھی محبت کرو۔

کیا ہم زندہ ہیں؟

کالم میٹھا سچ 897 از ڈاکٹر سلطان محمود

لاہور، 25 جولائی 2024ء

کسی ظالم نے یہ لکھ کر زندہ رہنے کی نشانیاں بتائی ہیں کہ:

اگر آپ چائے نہیں پیتے۔

گنگناتے نہیں ہیں۔

بارش میں نہیں بھیگتے۔

محبت نہیں کرتے۔

اور کتاب نہیں پڑھتے۔

تو پھر آپ کو موت کا کوئی ڈر نہیں ہونا چاہئے۔

کیونکہ

آپ پہلے ہی مر چکے ہیں۔

بات آگے بڑھانے سے قبل ہی بتادوں کہ میں نا صرف زندہ بلکہ بھرپور زندہ ہوں۔ ثبوت کے طور پر اس پوسٹ میں بتائے گئے سبھی اعشاریے پورے کر دینے کا ذکر کر رہا ہوں:

1۔ چائے کے بغیر دن نہیں گزرتا اور وہ بھی اپنے ہاتھ کی بنی یعنی چائے بناتے وقت کافی کی ملاوٹ تا کہ گرم موسم میں نقصان بھی نہ پہنچائے اور خوشبو سے مست بھی رکھے۔

2۔ پسند کے نغمے سنتے ہی موڈ اچھا ہو جاتا ہے لہٰذا کسی کسی نغمے کو سنتے ہوئے گنگنانا میرا من پسند مشغلہ ہے۔ اس وقت بھی گنگنا رہا ہوں "یہ راتیں یہ موسم ندی کا کنارہ، یہ چنچل ہوا"۔

3۔ گھر میں ہوں تو ہر بارش میں بھیگتا ہوں بلکہ چند روز پہلے تو باقاعدہ بچوں کے ساتھ گھنٹہ بھر نہایا بھی ہوں۔ بارش بند ہونے کے بعد بھی ہم نل سے پانی بھر بھر کر ایک دوسرے پر پھینکتے رہے۔ ہر تازہ پھوار پر بچپن کی یادیں لہروں کی طرح سر اٹھاتی رہیں اور طوفان اٹھاتی رہیں۔

4۔ محبت تو مجھے ہر خوبصورت انسان، حیوان، درخت، چرند پرند، مقام، منظر، عمارت، آواز، ساز و سر، علم، ترقی یافتہ ممالک، خاموشی، سیر سپاٹے، خیال، نظریئے اور ماحول سے ہے لیکن میں محبت کی چھچھوری ترین بہن ٹھرک کا بھی عملاً قائل ہوں۔

5۔ ہزاروں کتابیں گواہ ہیں کہ میں نے انہیں کس چاؤ سے چھوا، ورق پلٹے اور پسندیدہ سطور کو ہائی لائٹ کیا۔ اس وقت بھی سرہانے ولی خان کی لکھی پاکستانی تاریخ کی کتاب "حقائق حقائق ہیں " وندانا شیوا کی لائف سٹوری Terra Shiva اور ثریا خان کی آپ بیتی We Take Our Cities With Us پڑی ہیں جو بیک وقت صفحہ کر کے ہضم کر رہا ہوں۔

اب اندازہ لگانا آپ کا کام ہے کہ میں کتنی بھرپور زندگی گزار رہا ہوں۔ یہ میری ریٹائرمنٹ کی زندگی ہے جہاں لوگ بعض اوقات زندہ رہنے کی بجائے مرنے کے بارے میں سوچتے رہتے ہیں لیکن مجھے واقعی موت سے بالکل ڈر نہیں لگتا کیونکہ وہ نہ میرے بلاوے پر آنی ہے اور نہ آتے ہوئے اسے کسی دعوت کی ضرورت ہے۔

جس ظالم نے بھی زندہ رہنے کے مندرجہ بالا اعشاریئے ترتیب دیئے ہیں وہ کچھ مزید بھول گیا ہے کیونکہ لگتا ہے وہ خود زندہ تو ہے لیکن محض مردشماری کی حد تک۔ دیکھئے بھلا وہ کون سے کام ہیں جو مندرجہ بالا پانچ صفات کے علاوہ ہیں:

6۔ اگر آپ کی ملکیت میں کچھ ہے تو اسے اگر بانٹتے نہیں تو بھی آپ معاشرے میں زندہ لاش کی طرح ہیں۔ یہ ملکیت پیسے دھیلے کی بھی ہو سکتی ہے، جائیداد کی شکل میں بھی، فالتو کپڑے جوتوں

جیسی بھی، علم و دانش کی بھی، اچھے مشورے کی صورت میں بھی، صرف مسکراہٹ کی صورت میں بھی، دعا بھی بلکہ محض ایک مثبت خیال کے اشتراک کی شکل میں بھی۔

7۔ اگر آپ نے انسانیت کی خاطر کچھ لکھا نہیں، اپنی تحریر ریکارڈ نہیں کی یا کم از کم اپنے حلقہ احباب تک پہنچائی نہیں تو سمجھ لیں آپ جونہی آخری سانس لیں گے آپ قریب ترین احباب کے ذہنوں سے بھی اتر جائیں گے۔ یعنی اصلی موت کا شکار ہو جائیں گے۔ واضح رہے کہ آج تک اگر انبیاء کے علاوہ ارسطو، سقراط، البیرونی، مجدد الف ثانی، اقبال، جناح، گاندھی، ٹیگور، نطشے، ایدھی، مدر ٹریسا، نیوٹن، آئن سٹائن، نیلسن منڈیلہ اور ہنٹنگٹن نہیں مرے تو آپ بھی نہیں مریں گے۔

8۔ اگر آپ کا من اور ضمیر پر سکون نہیں تو آپ دھرتی پر گھسٹتی ہوئی زندہ لاش ہیں۔ اگر معاشرے میں دھوکہ اور جھوٹ پھیلاتے رہے ہیں یا مال جمع کرتے رہے ہیں یا دوران ملازمت و کاروبار قومی خزانہ لوٹتے رہے ہیں تو آپ کے اندر سکون ہو ہی نہیں سکتا۔

9۔ اگر آپ عقیدے کی جگہ عقیدت پالتے رہے ہیں چاہے شخصی ہو، خاندانی یا آفاقی تو سمجھ لیں کہ پھر اگر بعض اعشاریوں کے مطابق آپ زندہ بھی رہ گئے ہیں تو پھر بھی مردم شماری کے قابل بھی نہیں بچے۔ آپ سے بہتر پھر حیوان اور پرند چرند ہیں۔

10۔ اور آخری نشانی بتا رہا ہوں جو اگر آپ پوری نہ کر سکے تو دنیا تو رہی ایک طرف آپ پاکستان میں بھی ایک مویشی سے بہتر نہیں اور وہ ہے آپ کا خواندگی کی تعریف پر پورا نہ اترنا جس میں روایتی تعلیم کے علاوہ آپ کی مہارتوں کا بھی شمار ہے۔ پاکستان میں یہ شرح مردوں میں گیارہ فیصد اور عورتوں میں تین فیصد یعنی اوسط سات فیصد ہے۔

اب آخر میں میں آپ سے ملتمس ہوں کہ مندرجہ بالا تعریف کے مطابق اگر آپ مر بھی چکے ہیں یا معاشرے کا محض ایک ناکارہ پرزہ بھی ہیں تو خدارا اپنی نسل کو سو سال تک زندہ رہنے کا موقع فراہم کیجئے۔

ہم کس کے ساتھ انتہائی زیادتی کرتے ہیں

کالم میٹھا سچ 898 از ڈاکٹر سلطان محمود

لاہور، 25 جولائی 2024ء

اگر آپ اپنی زندگی پہ نظر دوڑائیں تو آپ کو معلوم ہو گا کہ جس شخص کے آپ سب سے زیادہ معافی کے مقروض ہیں وہ آپ خود ہیں۔

اک خاص عمر میں پہنچ کر انسان کے اندر "کسی کے ساتھ" کی خواہش مر جاتی ہے۔
اس وقت کے بعد آپ کو کوئی فرق نہیں پڑتا۔
جب کوئی آپ کی سالگرہ یاد نہیں رکھتا۔
یا آپ کو کھانے پر نہیں بلاتا۔
یہ وہ وقت ہوتا ہے جب آپ خود کے ساتھ خوش رہنا سیکھ جاتے ہیں۔
جب آپ کو جبری رشتوں کو لٹکانے میں کوئی دلچسپی نہیں رہتی۔
جب آپ بے تکی گفتگو پر چند گھنٹے سو جانے کو ترجیح دیتے ہیں۔
اور آپ مانے یا نہ مانے
زندگی تب ہی صحیح معنوں میں حسین لگتی ہے۔۔۔

زندگی اک تیر ہے

کالم میٹھا سچ 899 از ڈاکٹر سلطان محمود

لاہور، 26 جولائی 2024ء

ریٹائرمنٹ پر کروڑ پون کروڑ کی جو رقم اکٹھی ملتی ہے اور پھر کام نہ کر کے بھی میرے جیسا بندہ ڈیڑھ لاکھ ماہانہ پنشن لے اڑتا ہے اس کا چارم ہی کچھ اور ہے۔ بندہ گھر پر نہ پڑا رہے اپنے ہی پیسے سے دنیا گھومے اور ہر وہ کام کرے جو وہ نوکری کے دوران نہ کر سکا تھا۔

ایک عاقل سرکاری ملازم کو ریٹائرمنٹ سے قبل گھر بنا لینا چاہئے بھلے سے بنک سے قرضہ لے کر بنائے اور بچے بیاہ کر فارغ ہو جانا چاہئے چاہے سالوں سال کمیٹیاں بھرتا رہے۔ نیز اگر اس کی شادی 25 سال کی عمر میں ہوئی ہو اور وہ صرف دو بچے پیدا کرے تو اس کی ریٹائرمنٹ سے بہت پہلے اس کے بچے برسرروزگار ہو سکتے ہیں۔ وہ اپنی ماہانہ پنشن کا آدھا بیوی کو دے اور باقی نصف اپنے اوپر خرچ کرے۔

بر سبیل تذکرہ بتا رہا ہوں کہ میری ریٹائرمنٹ تک نوکری 32 سال بنتی تھی جسے میں نے گیارہ سال قبل از وقت ریٹائرمنٹ لینے سے پہلے پہلے اپنا چھوٹا سا گھر بنا لیا بلکہ ایک گھر کسی سرکاری سکیم کے تحت حکومت نے بھی دے دیا۔ ذاتی گاڑی لے لی دونوں بچوں کو سی اے اور اے سی سی اے کرا کے شادیاں بھی کر دیں اور دونوں نے میری نوکری چھوڑنے سے قبل اپنی گاڑیاں بھی لے لیں بلکہ بیٹے نے چار سال قبل میرے دونوں گھروں کو ملا کر اس سے ڈھائی گنا بڑا گھر بھی خرید لیا۔ ہم سب وہیں آ گئے ہیں اور دونوں گھر کرایے پر اٹھا دیئے ہیں۔

شاید آپ سوچیں کہ میں نے سیکرٹریٹ سروس میں ناجائز مال خوب کمایا ہو گا۔ ایسا اس لئے نہ ہوا کیونکہ میں متحرک سروس کے اکیس برسوں میں نو برس ڈیپوٹیشن پر بیرون ملک رہا۔ ڈاکٹریٹ کی

اور اقوام متحدہ کا ملازم بن گیا۔ باقی کے بارہ میں سے چار سالوں تک آدھی تنخواہ پر چھٹیاں لے کر امریکہ وغیرہ میں نوکری کرتا رہا اور پھر قبل از وقت ریٹائرمنٹ لے کر چودہ برس نیسپاک جیسی بڑی کمپنیوں میں بطور کنسلٹنٹ نوکریاں کرتا رہا۔ بالآخر اپنی پرائیویٹ لمیٹڈ کمپنی بنا کر آج بھی اللہ نے مجھے کئی گھرانوں میں رزق تقسیم کرنے کا ذمہ دے رکھا ہے۔

یاد رکھیں نوکری بالکل بیکار چیز ہے جتنا جلد ہو چھوڑ کر اپنا کاروبار کرنا چاہئے بالکل میری طرح جس نے اپنے کاروبار پر دھیلہ بھی نہیں لگایا۔ اب مرضی سے کام کرتا ہوں۔ ملکوں ملک گھومتا ہوں۔ تصنیف و تالیف نہ کر سکا تھا جو اب کر رہا ہوں اور سونے پر سہاگا بچوں سے زیادہ اب بھی کما لیتا ہوں۔

زندگی اک تیر ہے جانے نہ پائے رائیگاں۔۔۔

دیکھ لو پہلے نشانہ بعد میں کھینچو کماں۔۔۔!!

(تفصیلی اور تمثیلی جواب کا مقصد خود ستائشی نہیں بلکہ نوجوانوں کے لئے رہنمائی ہے اس لئے سچی تصویر کشی کے لئے اپنی مثال دینی پڑی)۔

علم سے خالی ڈگریاں

کالم میٹھا سچ 900 از ڈاکٹر سلطان محمود

لاہور، 26 جولائی 2024ء

غیر مصدقہ معلومات سے بچنے کی خاطر ہم نے اپنے ایک علمی گروپ میں مذہبی، سیاسی اور غیر اخلاقی مواد پر پابندی عائد کی تھی اور ببانگ دہل یہ اعلان کر رکھا ہے کہ جو معزز اراکین اس ضابطے میں بار بار ملوث پائے گئے ان کی رکنیت خارج کی جا سکتی ہے۔ لہٰذا بے سروپا اعتقادات کے پھیلاؤ کے خدشے کے پیش نظر ہم نے آج ایک اور معزز رکن کی مذکورہ پوسٹ ڈیلیٹ کی ہے جس میں انہوں نے نہایت کمزور حوالوں سے لوہے اور کرہ زمین کا جوڑ جوڑا تھا۔ ان کی سمجھے بغیر پوسٹ مسترد کرنے کی دوسری وجہ یہ ہے کہ ہماری درخواست کے دو روز گزرنے کے باوجود وہ سائنسی دلائل بھی نہیں دے سکے تاکہ کسی صحت مند مکالمے کا آغاز ہی کیا جا سکتا۔ وجہ شاید یہ ہو کہ ان کی ذاتی محدود علمی قابلیت نے صرف قرآن کریم کا نام پڑھ کر ہی دوسروں کا ایمان بڑھانے کی جو خلوص سے کوشش کی ہے وہ کہیں ایمان ڈگمگانے کا باعث ہی نہ بن جائے اور شاید یہی غیر مسلم چاہتے بھی ہیں کہ مسلمانوں کو سائنس سے دور رکھ کر محض بے سروپا عقائد کے ذریعے برباد کر دیا جائے۔

بیشک قرآن کریم ایک معجزاتی الہامی کتاب ہے جو ایک ایسی عربی زبان میں ہے جو آج بھی کہیں وسیع پیمانے پر سمجھی نہیں جاتی اس لئے اسے آسان فہم بنانے کے لئے مسلمان مفکرین اہم ترین کوششوں اور خلوص کے باوجود باہمی اختلافات سے جان نہ چھڑا سکے۔ ان اختلاف کا فائدہ غیر

مسلوں نے اٹھایا اور لالچ دے کر احمق اور منافقین سے من مانی تشریحات کرائیں جن کی وجہ سے مسلم امہ میں ابہام بڑھا اور لاتعداد فرقے جنم پا گئے۔

آج کا مسلمان اپنی ہی کتاب بارے مندرجہ بالا وجوہات کی بناء پر زیادہ خطرناک ثابت ہو رہا ہے کیونکہ بندر کے ہاتھ ماچس آنے کے مصداق اس کے ہاتھ غیر مصدقہ سوشل میڈیا دے کر جھوٹ کی وسیع پیمانے پر بڑھوتری کی جا رہی ہے۔

ایک سوال یہ بھی ذہن میں ابھرتا ہے کہ ہم جن ڈگریوں کے دعویدار ہیں ان سے حاصل شدہ علم یہاں کیوں شئیر نہیں کرتے یا کیا یہ مان لیا جائے کہ وہ ڈگریاں علم کی بنیاد پر ایوارڈ نہیں ہوئی تھیں؟

سوشل میڈیا کے ہر صارف کے پاس دیگر بیشمار ایسے گروپس کی بھی رکنیت ہوتی ہو گی جہاں بے سروپا کہانیاں پھیلائی جا سکتی ہوں گی لہٰذا اگر انہیں مذہب اور سیاست کا اتنا ہی شوق ہے تو وہ وہاں اپنا رانجھا راضی کر لیا کریں لیکن اس بامقصد گروپ کو معاف رکھیں۔

ذاتیات، غذائیات، حیوانیات، ماحولیات، سیاسیات، مزاحیات اور ادبیات پر مبنی ایک بے مثال فکری مسافت

فکرِ سلطان

ڈاکٹر سلطان محمود

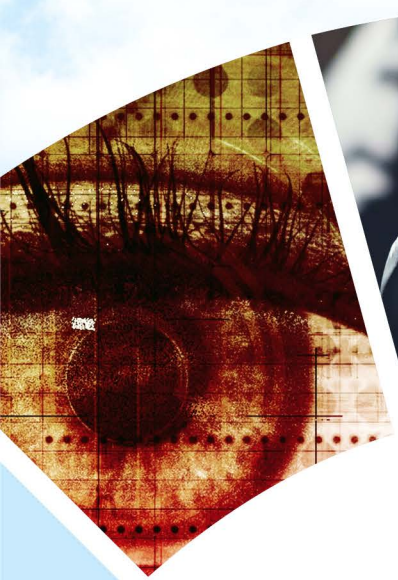

8

سیریز ہشتم: طنز و مزاح

فکرِسلطان

ECOCARE Consultancy Services (Pvt) Ltd.

ECAP

SOCIETY OF ANIMAL SCIENCES

PAFP — PAKISTAN ACADEMY OF FAMILY PHYSICIANS

ڈاکٹر سلطان محمود

مفکر، محقق اور نقاد

"فکرِ سلطان" کی تمام سیریز آفیشل ویب پر موجود ہیں

ڈاکٹر سلطان محمود نے سائنسی انداز میں تحریکی کارکن بن کر غذائی تحفظ کی عالمی خود مختار تحریک کو مقامی رہنما کے طور پر پاکستان میں ایک غیر معمولی موڑ دیا ہے جس کے نتیجے میں ان کے افکار اور عملی جدوجہد نے 'فکر سلطان' جیسی ایک طاقتور دستاویزی سیریز جنم دی ہے۔ اس میں وہ اپنی آدھی صدی کی شبانہ روز کوشش کو شاندار کہانی کے طور پر بیان کرتے ہوئے اہم معلومات سے بھری وہ تاریخ بھی بیان کر رہے ہیں جو ملک عزیز کے غیر مستحکم حالات کے باوجود مقامی اور نچلی سطح کے مسائل کو قومی اور عالمی سطح پر کچھ اس انداز سے اٹھا لے جاتے ہیں کہ جہاں وہ حیاتیاتی تنوع یا بایوڈائیورسٹی کی ہیئت تبدیل کئے بغیر کارپوریٹ تسلط کے ساتھ جنگ کرتے نظر آتے ہیں۔ یہاں یہ بھی واضح ہو جاتا ہے کہ ڈویلپمنٹ مافیا کے خلاف کس طرح نچلی سطح کی لڑائی کو اٹھا کر قومی اور عالمی سطح پر لے جایا جاتا ہے۔ ان کی یہ سوچ بھی قابل داد ہے کہ دنیا بھر میں مقامی سطح کی کمیونٹی ہمیشہ مقدس اور خود مختار ہونی چاہئے تاکہ وہ اپنے علم اور حقوق کو حاصل کر کے مستقبل کی دنیا کی حقیقی کہانی کا نقشہ ترتیب دے سکے۔

ISBN
9 789697 431625

ذاتیات، غذائیات، حیوانیات، ماحولیات، سیاسیات، مزاحیات اور ادبیات پر مبنی ایک بے مثال فکری مسافت

ڈاکٹر سلطان محمود، مینیجنگ ڈائریکٹر، ایکوکیئر کنسلٹنسی سروسز، لاہور۔ بانی انوائرنمنٹ کنسلٹنٹس ایسوسی ایشن پاکستان؛ سوسائٹی آف اینیمل سائنسز اور ایگزیکٹو پاکستان اکیڈیمی آف فیملی فزیشنز

Mobile | +92 321 4302528 | Ecocare | www.ecocare.pk | ECAP | www.ecap.pk | PAFP | www.pafp.com.pk